کی تحریرین تھین - ان تمام تحریرون کو مندر کے مقدس پجاری نے بیکار سمجھ کر سرادریل آسٹن کے حوالہ کر دیا جنھون نے اُن کو لندن پہنچا دیا، گو اس طرح یہ ذخیرے علمی دنیا کے لئے مفید تر ہوگئے مگر یہ کس قدر افسوسناک ہے، کہ ہم نے ان کو کس طرح ضائع کر دیا۔ قیمت ۶ر پتہ:- دائرۂ ادبیہ، لکھنؤ،

مطالب الغالب، دیوان غالب کی مختلف شرحین شائع ہو چکی ہین۔ مطالب الغالب ایک جدید شرح ہے، جسے حال مین جناب سہا نے مرتب کر کے شائع کیا۔ یہ شرح بہ نسبت دیگر شرحون کے مبسوط اور مفصل ہے۔ ایک مرتبہ سرسری نظر ڈال کر جو کچھ ہم کہ سکتے ہین وہ یہ ہے کہ جناب سہا کی محنت قابل ستایش ہے قیمت ؏ر پتہ شیخ مبارک علی تاجر کتب، اندرون لوہاری دروازہ لاہور،

درس عمل، جناب محمد حسین صاحب محوی لکھنوی کی چند قومی نظمون کا مختصر مجموعہ، جسے دائرۂ ادبیہ، لکھنؤ نے ایک مختصر رسالہ کی صورت مین شائع کیا ہے، قیمت ۴ر

قانون وراثت، جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حنیفی۔ بی اے، ال۔ ال۔ بی وکیل میرٹھ نے اسلامی قانون وراثت کے نام سے یہ رسالہ لکھا ہے اور اس کے آخری صفحات مین کچھ دفعات قانون شفع کا بھی اضافہ کیا ہے، باوجود اختصار مسائل کی کافی توضیح کی ہے، رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انگریزی قانون کے طریق پر دفعہ وار مرتب کیا گیا ہے، قیمت ۸ر مؤلف کے پتہ سے دستیاب ہوگا،

سمرنا کا چاند، یہ افسانہ جناب مولوی راشد الخیری صاحب دہلوی کی جدید تصنیف ہے، جس مین تربیت کے فائدے اور تربیت نہ کرنے کے نقصانات کو مصنف نے افسانہ کی شکل مین دکھایا ہے، کتاب کے نام کو اس کے موضوع سے صرف یہ تعلق ہے کہ کتاب بھر مین ایک جگہ مظالم سمرنا کا ذکر آگیا ہے، قیمت پتہ:-

---

مجلد دوازدہم	ماہ محرم ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۳ء	عدد دوم

مضامین

شذرات

پنجاب کے مشہور سابق گورنر سر میکائیل اوڈوائر نے، ہندوستانی اور خصوصاً پنجابی اخبارات کے اپنے ایک مضمون مین بہت کچھ صحیح حد تک تنقید کی ہی، اول یہ کہ ہندوستان مین عموماً یہ شریف پیشہ وہ لوگ اختیار کرتے ہین جو بلند حوصلہ ہوتے ہین، لیکن اپنے حوصلہ کی بلندی کے مطابق علمی اور عملی استحقاق نہین پیدا کر سکتے ہین، چونکہ ایسے افراد کے لئے کامیابی کے دوسرے دروازے بیدا ہوتے ہین، اسلئے یہ **آزاد پیشہ** جس کے حصول کے لئے کوئی علمی وعملی پابندی نہین، اور نہ اوس منصب کے پانے کے لئے کسی سند اور تصدیق کی حاجت ہی، اسلئے وہ کاٹھ کے چند چرخون، اور پتھر کی چند سلون اور کاغذ کے چند دستون اور دستون کو لیکر بیٹھ جاتے ہین اور فوراً ملک وملت کی زمام اپنے ہاتھ مین لیکر رہبری اور رہنمائی کا فرض انجام دینے لگتے ہین،
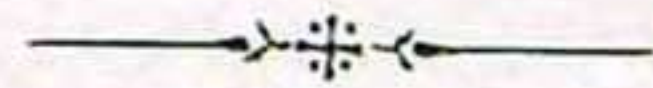
دنیا کے ہر طبقہ مین مخلص اور نیک نیت افراد کی کمی ہی، ملک کی رہنمائی کی عنان ہاتھ مین لیکر سب سے پہلی ضرورت یہ پیش آتی ہی، کہ اس کاغذی ناؤ کو مالی مشکلات کے طوفان سے بچایا جائے، جس سے خود اونکی ذاتی زندگی کا سہارا وابستہ ہی، مالی مشکلات کا خاتمہ صرف خریدارون کی کثرت سے ہوسکتا ہی، اور خریدارون کی کثرت اوسی وقت ہوسکتی ہی جب افراد کے خیالات اور جذبات مین ہیجان ہو، اسلئے اخبارات اِس پر مجبور ہوتے ہین، کہ اپنے اور اپنے مالکون کی زندگی کی بقا کے لئے وہ افراد مین ہیجان اور اشتعال پیدا کرتے ہین، جذبات مین یہ ہیجان اور اشتعال پیدا کرنے والے دماغ اپنی فکر اور ہمت کی بلندی اور پستی کے مطابق مختلف بھڑکنے والے مواد اور مسالون کا انتخاب کرتے رہتے ہین، کبھی یہ ذاتی، کبھی خاندانی، کبھی ملکی

کبھی قومی، کبھی مذہبی، کبھی سیاسی اختلافات کو وہ اُبھار کر اپنے ناظرین کے جذبات کو برانگیختہ کر کے اپنی طرف مائل ہونے پر مجبور کرتے ہین، اور اسی کا نام اون کے نزدیک قومی ہمدردی، مذہب کی حمایت، اور سیاسی جد وجہد ہی، اور یہ خیال یکقلم دل سے محو ہوجاتا ہی کہ اِن تحریکات کا اصل محرک اور باعث اونکے اندر کیا ہی؟

جو کچھ سر میکائیل اوڈوائر نے ہندوستانی اور پنجابی اخبارات کی نسبت لکھا ہی بعینہ یہ یورپ اور انگلستان کے اخبارات پر صادق آتا ہی، وہان اخبارات پارٹیون اور جماعتون کی ملکیتین ہین، یا اون کی زبان حال ہین، ہر پارٹی کا اخبار دوسری پارٹی کے خلاف جو کچھ زہر پھیلاتا ہی، جس طرح اوس کے خلاف پروپگنڈا کرتا ہے، وہ اخلاق اور تاریخ کی بدترین مثالین ہین، ٹائمز اور ڈیلی ہیرلڈ دونون روزانہ اخبارات ہین، ایک سرمایہ دارون کا حامی ہی، تو دوسرا مزدورون کا، اِن دونون مین سے جو ایک پڑھتا ہی، ناممکن ہی کہ وہ دوسرے کا دشمن نہ بنجائے،

اس کے علاوہ ہندوستان کی دنیا تو صرف ہند کا برِ اعظم ہی، یہان کے اخبارات اسی ملک کی قومون کو باہم تیغ بکف رکھتے ہین، لیکن وہان کے اخبارات کی دنیا تمام کرۂ عالم ہی، وہ جس طرح ایک قوم کو دوسری قوم کے برخلاف اُبھارتے اور مشتعل کرتے ہین، اوس کے نتائج ہر روز دنیائے سیاست مین نیا ہنگامۂ فتنہ و فساد قایم کئے ہوئے ہین، اِس بنا پر یہ عیوب حقیقت مین کسی خاص ملک کے اخبارات کے نہین ہین، بلکہ جدید تمدن کے طول وعرض مین جہان بھی اخبارات ہین، یہ اون کے لوازم، اور ضروری عوارض کی طرح پیدا ہین،

ہمارے اخبارات کا اخلاقی حیثیت سے سب سے زیادہ افسوسناک پہلو، اون کے کالمون مین خلاف تہذیب اشتہارات کا وجود ہی، یہ مرض اِس درجہ ہمارے پریس مین عالمگیر ہی کہ ہمارا سنجیدہ سے سنجیدہ پرچہ بھی اس سے پاک نہین، اخبارات کے یہ آخری اشتہاری صفحے، ہمارے اخبارات کے ناصیۂ متانت کا داغ ہین اور اسی لئے شرم وحیا کا فتویٰ نہین کہ یہ مردانہ اخبارات، زنانہ محفلون مین پہنچین کہ جنس رجال کی جسمانی

کمزوری" کے ساتھ اون کی "اخلاقی کمزوری" کی بھی پردہ دری ہوگی، اگر یہ سچ ہی کہ باطن اپنے ظاہر سے اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہی تو یہ اشتہارات جن کے عریان مضامین پڑھکر شرافت آنکھین بند کر لیتی ہی، اس بات کا نمایان ثبوت ہین، کہ ملک کی اخلاقی روح کس درجہ کمزور اور ناتوان ہی،

خوشی کی بات ہی کہ ملک کی علمی برادری مین ایک نئے ممبر کا اضافہ ہوا ہی، یہ ہمارے عزیز دوست مولوی **معین الدین** صاحب انصاری فرنگی محلی ہین، عربی کی متوسط تعلیم کے ساتھ اونھون نے انگریزی پڑھی، اس کے بعد انگلستان جاکر کیمبرج مین داخل ہوئے، اور وہان سے بیرسٹری کی سند کے ساتھ بی اے کی ڈگری حاصل کی، فلسفہ کے اعزازی امتحان مین شرکت کی، یہان سے فارغ ہوکر برلن گئے، اور وہان کی یونیورسٹی مین تحقیقات (ریسرچ) کے لیئے نام لکھایا اور کچھ کام وہان اونھون نے انجام بھی دیا، مگر وہ ہنوز نامختتم ہی، اون کا ارادہ ہی کہ وہ بقیہ کام ہندوستان مین بیٹھکر انجام دینگے، خوشی اس کی نہین ہی کہ مسلمانون مین ایک بیرسٹر یا ایک انگلستانی بی اے کا اضافہ ہوا ہی، خوشی اس کی ہی کہ موصوف کو علم کی سچی چاٹ ہے، اور اپنی مادری زبان کی سنجیدہ خدمتگذاری کا اونکو صحیح ولولہ ہی، مشرقی و مغربی علوم کے امتزاج نے اون مین بہترین اعتدال پیدا کر دیا ہی، اور ہمارے اکثر تعلیم یافتون کی طرح جو اپنے مشرقی علوم اور زبانون کی نا واقفیت کے باعث بہت بولنے کے باوجود بھی گونگے رہتے ہین، وہ گونگے نہین ہین، اون کو فلسفہ کا کامل ذوق اور واقفیت ہے، اور آجکل ہیگل کے **معمائے کائنات** کا سنجیدہ اور فہمیدہ ترجمہ کر رہے ہین، یقین ہے کہ معمائے کائنات کا یہ ترجمہ اردو مین بیان کے الجھاؤ اور صحیح الفاظ کی کمیابی اور موزون اصطلاحات کے عدم انتخاب سے چیستان نہ بننے پائیگا،

اخبار تہذیب نسوان لاہور کے ۲۶ اگست کے پرچہ نے یہ خوشخبری سنائی ہے کہ الحمد للہ ثم الحمد للہ

کہ علی گڈھ (اس سے زیادہ تر مسلم یونیورسٹی کا محدود رقبہ شاید مراد ہی) مین مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمان خواتین کو **حقوق** ملنے شروع ہوگئے، حقوق؟ ہان حقوق! کیا پنجاب اور اودھ کی مسلمان بی بیون کو شرعی دختری وراثت کا حق مل گیا! کیا کونسلون مین اون کی شرکت جائز سمجھی گئی، کیا تعلیمی، اخلاقی، اور سیاسی جد و جہد مین اون کو دوش بدوش کھڑا کیا گیا! کیا مسجدون اور جامعون مین، جہادون اور غزوون مین اون کے لیے علحدہ صفین قائم ہوگئین، کیا یونیورسٹی کے تعلیمگاہ اور اسٹاف مین اون کو اپنے ذہنی اور علمی جوہر کے نمایان کرنے کا حق مل گیا! کیا اون کی کسی سنجیدہ تصنیف نے ملک سے خراج تحسین وصول کرنے کا حق پا لیا! کیا اون مین سے کسی نے کوئی زنانہ یونیورسٹی، کالج یا اسکول کے قایم کرنے کی اہلیت ثابت کرنے کا حق حاصل کر لیا! کیا اون مین کوئی جدید تعلیم اور تمدن کے برکات سے عائشہ اور رابعہ، ورقا اور خنسا، زبیدہ اور ضیعہ، جہان آرا یا زیب النساء بننے کی تیاری کر رہی ہے!

نہین نہین، ان مین سے کوئی بات نہین، بلکہ بنگلون اور کوٹھیون مین اون کو "بیرون" "مالیون" اور "خانساماؤن" "کوچمینون" اور "چوکیدارون" کو اپنے سامنے بلانے کا حق مل گیا! مردانہ "ڈرائنگ رومون" مین اون کو داخل ہونے کی اجازت ہوگئی! "ایوننگ واک" "پکنک" اور دیگر مقامات سیر و تفریح مین اون کی شرکت ہونے لگی ہے! ڈنر کے موقع پر کھلے بند اب وہ جا سکتی ہین، معزز شوہرون کے مہذب دوستون کے سامنے آنے کا حق اون کو بالآخر مل گیا ہی، اور اپنے شوہر کے منتخب دوستون کی آمد کے موقع پر اون کو براہ راست اون کے خیر مقدم اور تواضع اور خاطرداری کا عظیم الشان حق اون کو حاصل ہو گیا! اور "روپوشی" کے شرمناک جرم سے بہت حد تک اون کو آزادی ہوگئی ہی! یہی وہ بڑے بڑے حقوق نسوان ہین جو اخبار مذکور کی ایک نامور مضمون نگار خاتون علی گڈھ کے اعلان کے مطابق وہان کے اعلیٰ طبقہ کے تعلیم یافتہ شوہرون کی بیویون کو ملنے شروع ہوگئے ہین، علی گڈھ مین آزادی کے اس چارٹر کے ملنے پر مضمون نگار خاتون کو اس درجہ مسرت ہی کہ وہ اس کو شاید

ناکام دنیا کی سب سے کامیاب آرزو کے لفظ سے تعبیر کر سکتی ہین، افسوس ہو کہ یورپین تمدن کے ظاہری آب و رنگ نے مسلمان خواتین کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا ہو، وہ چھلکے کو مغز اور سراب کو چشمہ سمجھنے لگی ہین، قومیت کی اصلی روح، بیداری کی اصلی حقیقت، اور ترقی کے معنوی لوازم پر اون کی نظر نہین، جس طرح اون کے معزز شوہرون کی سب سے بڑی آرزو یہ ہو کہ وہ کس طرح "صاحب لوگ" کہلائین، اس طرح فطرۃً اون کی بیویون کی اعلیٰ ترین تمنا ہو کہ کاش وہ "میم صاحب" بن سکین، مگر تحمل مصائب انگیزی، جد و جہد، مقابلہ و سرگرمی، عزم، استقلال، محنت، اور حوصلہ مین نہین، بلکہ راحت، سیر، تماشا، تفریح، عیش پسندی، اور نمائش مین، افسوس کہ جس راستہ پر ان خواتین کا قدم ہو، وہ انجام کار، تباہی، حسرت، عبرت، رنج، تکلیف اور ناکامی کی منزل تک پہنچتا ہو، مگر ان بیخبر نازک قدم رہروون کو خبر نہین،

چلا ہے اور دلِ راحت طلب کیا شادمان ہوکر
زمینِ کوئے "یورپ" رنج دے گی آسمان ہوکر

منجملہ اون جدید اور نئے الفاظ اور محاورات کے جن کو یورپین تمدن نے ہندوستان مین پیدا کیا ہے لیکن یہان اون کے کوئی معنی نہین، **حقوقِ نسوان** کا لفظ ہی، یورپ کی عیسائی قومون مین تو اس لفظ کے بے انتہا معنی ہین، لیکن مسلمانون کی زبانون پر آکر یہ لفظ معنی کی ممنونیت سے بے نیاز ہو گیا ہو، اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یورپ کے مسیحی فرقون کے مذہب مین، عورتون کے حقوق، فرائض اور واجبات کی مطلق تفصیل بلکہ ذکر نہین، زن و شو کے تعلقات اور اون کی نوعیت، نفقہ، نکاح، طلاق، عدت، مہر، وراثت، ترکہ، ملکیت اور دیگر مذہبی، تعلیمی، معاشرتی، مالی اور سیاسی حقوق و فرائض کا وہان نام و نشان بھی نہین، اسلئے جو کچھ وہان ہے وہ سلطنتون اور پارلیمنٹون کے قوانین ہین، جو ہر روز بنتے اور بگڑتے رہتے ہین، اسلئے جدید تعلیم کی اشاعت اور روشنخیالی کے بعد لامحالہ وہان کی عورتون کو سلطنتون اور پارلیمنٹون سے لڑ لڑ کر حصول کرنا پڑا

اور پڑ رہا ہے، بخلاف اس کے اسلام نے ہر چیز کی قانونی اور عملی تفصیل کرکے عورتون کو اون کے ہر قسم کے حقوق اول ہی روز مرحمت، اور اپنے پیروون کی دونو جنسون کے حدود مقرر کر دئیے ہین،

تم یہ کہہ سکتے ہو کہ مذہب نے بجائے خود گو وہ حقوق عطا کر دئیے ہین، لیکن عملاً رسم و رواج اور قدیم اصول معاشرت، اور مردون اور عورتون کی جہالت اور ناواقفی نے اون کو ہم سے سلب کر لیا ہو، اسلئے اون کے حصول کے لیئے، جد و جہد کی حاجت ہو، ہم اس کے جواب مین کہینگے کہ یہ سچ ہو، لیکن اون کے حصول کے لئے جدید یورپین تمدن کی اشاعت، خواتین فرنگ کی کورانہ تقلید، بیج، ایوننگ واک، ڈنر، بال، سینما، تھیٹر، بے نقابی اونچی ایڑی کے بوٹ، ریشمی موزون، لبنی نازک چھتریون، لیونڈر، سینٹ، اور پوڈر، مردون سے آزادانہ میل جول، اور انگریزی اسکولون کے سسٹم کی تعلیم، اور ہر مسئلہ کے جواز کے لئے خواتین فرنگ کے اخلاق و آداب کے نظائر پیش کرنے کی ضرورت نہین، اور نہ یورپین تمدن کے چوکھٹ پر سر رکھنے کی حاجت ہو، جو کچھ ہو وہ یہ ہو کہ کتاب و سنت سے اور سلف خواتین اسلام کی عملی زندگیون سے ان تاریکیون کو دور کرنے کی کوشش کیجائے، ہماری خواتین شوق سے علم حاصل کرین، لیکن اسلئے نہین کہ یورپ کی عورتون مین تعلیم پھیلی ہے، اسلئے ہماری خواتین مین بھی پھیلنا چاہیئے، بلکہ اسلئے کہ اسلام نے علم کی طلب ہر مرد و زن پر فرض کی ہو، وہ شوق سے تعلیمگاہون مین جائین، مجالس مین تقریرین کرین غزوات اور لڑائیون مین شریک ہون، مساجد مین نمازین ادا کرین، سیاسی، تعلیمی، اخلاقی جد و جہد مین حصہ لین، مگر اسلئے نہین کہ آج لعبتان فرنگ کا یہ طرز عمل ہو، بلکہ اسلئے کہ عفیفان اسلام کے مقدس کارنامے اسکے لئے ثبوت اور شہادت ہین،

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

مسلمانون مین ترک وہ قوم ہو، جو یورپ کے پڑوس مین آباد ہو، جدید تعلیم و تمدن سے آگاہ ہو، یورپ کی ہر چیز جو تم صرف سنکر نقل کرتے ہو، وہ اوسکا مشاہدہ ہو، وہ محکوم نہین حاکم ہے، با این ہمہ ترکی کا نامور مصلح، جدید ترکی نشو و نما کا

بانی، اور ترکی قوم کے لیے آیندہ شاہراہِ عمل تیار کرنے والا مُہندِس، اور قومون کی ترقی وتنزل کے اسرار کا رازدان، یعنی عزیزِ اسلام غازی مصطفےٰ کمال پاشا جس نے یورپین تمدن کے ہر خط وخال کو اچھی طرح دیکھا بھالا ہی، اوس نے انگورہ کی مجلس ملی کے سامنے کچھ دن ہوئے کہ خلافت، تمدن جدید یورپین تمدن، اصلاحات دینی، اور علمائے اسلام کے فرائض کے متعلق ایک نہایت مصلحانہ تقریر کی تھی، تقریر کے خاتمہ مین غازی موصوف نے فرمایا:-

"ہم کو چاہیئے کہ اپنے تمدن کو اپنے ملک کی حالت، اور اپنی تاریخ، اور اپنی ضرورتون اور عادتون کے مطابق بنائین، اور اس طرح زیادہ بہتر طریق سے ہم متمدن قومون مین ایک خاص امتیاز حاصل کرلین گے، اگرچہ ہمارے ملک کے روشنخیالون کا یہ عقیدہ ہو کہ ملک وملت کی بھلائی اسی مین ہو کہ متمدن قومون کی ٹھیک ٹھیک تقلید کرین، لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ممکن ہو کہ ایک چیز جو ایک قوم کی خوش قسمتی اور ترقی کا ذریعہ ہو، وہ دوسری قوم کی بدبختی اور بربادی کا باعث ہو جائے،

غازی موصوف کا کہنا بالکل درست ہی، ہر قوم کے تمدن کا مزاج اوس قوم کے ملک، جائے سکونت، آب وہوا، خصوصیات نسلی، گذشتہ رسم ورواج، احکام مذہبی، اور سینکڑون عنصرون سے ملکر صدہا سال مین تیار ہوتا ہی، اسلیئے ایک قوم کو دوسری قوم کی تقلید محض تباہی اور بربادی ہی، "نیچری لوگ" ہر چیز کو "نیچر کے مطابق" ہونے کو سب سے بڑی دلیل سمجھتے ہین، اسلیئے اون سے یہ عرض کرنا ہی کہ ایشیا اور یورپ کی حیوانی اور نباتاتی مخلوقات مین جب باہم نظرۃً اس درجہ بُعد اور شکل وصورت کا تناقض ہی، تو ان دونون براعظمون کی انسانی مخلوقات کیون ایک دوسرے کی یکسانی اور تقلید محض کی جویان ہین؟

مقالات

تذکرۂ مصحفی قلمی

از

مولانا عبد السلام ندوی

اساتذہ قدیم کی ادبی خصوصیات مین ایک نمایان خصوصیت یہ ہو کہ ان مین اکثر بزرگون نے شعراء کے مستند تذکرے لکھے ہین، اور ان مین اردو شاعری کے متعلق نہایت مفید تاریخی اور علمی نکات درج کیے ہین، اگرچہ ایک مدت تک یہ تذکرے ہماری بدقسمتی سے گوشۂ گمنامی مین پڑے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک ان تذکرون کی مدد سے اردو شاعری کی کوئی مکمل تاریخ مرتب نہ ہوسکی بلکہ خود شعراء کے مستند اور دلچسپ حالات بھی فراہم نہ ہوسکے، یہان تک کہ اردو شعراء کا سب سے مفصل تذکرہ "آب حیات" بھی ان تذکرون کی اعانت کا پیاسا نظر آتا ہے، تاہم اب یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ تذکرے یکے بعد دیگرے اپنے زاویۂ جمود وخمود سے نکلتے آتے ہین، اور اپنے ساتھ اردو شاعری کی تاریخ کو بھی روشن اور نمایان کرتے جاتے ہین، چنانچہ سب سے پہلے میر کے تذکرۂ "نکات الشعراء" کو انجمن ترقی اردو نے ہمارے مخدوم مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے مفصل مقدمہ کے ساتھ شایع کیا، اس کے بعد تذکرۂ میر حسن کی باری آئی اور اس کے کنوز مخفیہ کو بھی مولانا موصوف نے اپنے جامع مقدمہ کے ذریعہ سے نمایان کیا، لیکن اب بھی اس دریا مین غواصی کرنے کی ضرورت باقی ہے، چند موتی اور بھی رہ گئے ہین اور اون کا نکالنا ضروری ہے، مثلاً قائم نے جو تذکرۂ شعراء لکھا تھا، وہ ابھی تک کیڑون کے پیٹ سے باہر نہین نکلا، مصحفی کا تذکرہ اب تک الماریون کی آغوش مین ہے حالانکہ وہ نہایت آسانی کے ساتھ منظر عام پر لایا جاسکتا ہے،

اس وقت ہندوستان مین جو نادر قلمی کتابین موجود ہین ان مین جو کتابین پرائیوٹ کتبخانون مین محفوظ ہین، ان کا شایع کرنا تو کسی قدر مشکل ہے، اوّلاً تو اس قسم کے کتبخانے ایسے جاہل اور بدشوق افلاس کے ہاتھ مین ہین، جو گہر اور پتہر مین امتیاز ہی نہین کرتے صرف یہ سمجھتے ہین کہ بزرگون کی ایک یادگار ان کے ہاتھ مین ہے، گھر وسیع ہے، اس کو بھی اس کے ایک گوشے مین پڑا رہنا چاہیے، ثانیاً جو لوگ نادر کتابون کی اہمیت کو سمجھتے ہین، وہ ان کو بطور ایک نادر تحفہ کے صرف اپنے ہی پاس رکھنا چاہتے ہین، عام اشاعت کرکے ان کی بے قدری کرنی نہین چاہتے، لیکن ان کتابون کا ایک کافی سرمایہ پبلک کتبخانون مین بھی محفوظ ہے، اور چونکہ ان کتب خانون کا مقصد ہی عام طور پر علم و فن کی توسیع و اشاعت ہے، اس لیے وہ نہایت آسانی کے ساتھ، اس قسم کی کتابون کی اشاعت پر راضی ہوسکتے ہین،

مثلاً ندوۃ العلمار کے کتب خانے مین بہت سی قلمی کتابین موجود ہین جن مین مولانا شبلی مرحوم کے دور کی یادگار چند لٹریری کتابین بھی ہین جو مستحق نشر و اشاعت ہین، مثلاً مولانائے مرحوم نے شعرائے اردو کے تذکرون مین طبقات الشعرار حکیم قدرت اللہ قدرت، تذکرۂ میرحسن، اور تذکرہ مصحفی کے نہایت عمدہ قلمی نسخے ندوہ کے کتب خانے پر وقف کیے تھے جن مین قدرت اللہ قدرت کا تذکرہ تو اون ذی روح ہستیون کی نذر ہوا، جو مطالب و معانی کے ساتھ کتابون کے حروف و اوراق تک کو ہضم کرجاتی ہین، میرحسن کا تذکرہ محفوظ ہے، اور انجمن ترقی اردو نے اس تذکرے کی اشاعت مین غالباً اس سے کام لیا ہے، مصحفی کا تذکرہ بھی موجود ہے، اور وہ بھی تذکرہ میرحسن سے کچھ کم، اہمیت نہین رکھتا، ہم نے شعرالہند کی تدوین و تالیف کے ابتدائی زمانہ مین ان دونون تذکرون کو دیکھا تھا اور ان سے ضروری معلومات حاصل کی تعین، کتاب کے مکمل ہوجانے کے بعد تذکرۂ میرحسن کے قلمی نسخے کی ضرورت تو باقی نہین رہی، البتہ مصحفی کے تذکرے کو ہم نے بار بار پڑھا تاکہ اگر کچھ اور معلومات بھی مل جائین تو شعرالہند مین ان کو شامل کیا جائے، لیکن اس سلسلے مین خود اس تذکرے کی تقریظ و تنقید کے متعلق

بہت سی معلومات ہاتھ آئین جن کو اگر مرتب کردیا جائے تو اس تذکرے کی طبع و اشاعت کی تحریک بہت کچھ مدلل ہوسکتی ہے

مصحفی نے اس تذکرے کو میرحسن، قائم اور حکیم قدرت اللہ قدرت کے تذکرون کے بعد لکھا ہے، چنانچہ ایک شاعر (خاکسار) کے چند اشعار تذکرہ میرحسن سے انتخاب کیے ہین، اور صاف صاف تصریح کردی ہے کہ

چند اشعارش از تذکرہ میرحسن صاحب سلمہ اللہ تعالی نوشتہ شدہ

ایک شاعر (میر سجاد) کے متعلق تذکرۂ قائم سے یہ تصریح نقل کی ہے،

دمیان محمد قائم پیش ازین در تذکرہ خویش بجثیر الکلامی ایشان اشعار نمودہ

اور حکیم قدرت اللہ قدرت کا تو تذکرہ ہی ان الفاظ سے شروع کیا ہے،

مؤلف تذکرہ ہندی گویان،

لیکن تعجب ہے کہ انھون نے میر کے تذکرہ کا کہین نام نہین لیا بلکہ انکی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود میر نے اس تذکرہ کے لکھنے کی فرمایش کی تھی چنانچہ لکھتے ہین،

چون این فقیر حقیر غلام ہمدانی مصحفی تخلص از تصنیف دیوان فارسی و ہندی و تالیف تذکرہ فارسی فراغت حاصل کرد مہم تالیف تذکرہ ہندی در پیش آمد اگرچہ از علوئے ہمت خدادادُ سرد دماغ ان نبود کہ اوقات عزیز خود را باشتغال چنین امر لاطائل کہ دیگران بغفر بگردن خود پیش بستہ اند مصروف سازد اما بہ تکلیف میر و شوق شعر ہندی دامن دلش را محکم فراگرفتہ طوعاً و کرہاً قدم درین بادیہ پرخار گذاشت،

افسوس ہے کہ ہمارے تذکرہ نویسون نے قدمار کے حالات کو بہت کچھ نظر انداز کردیا ہے چنانچہ میر صاحب نے تو شعرائے دکن کے متعلق صاف صاف لکھدیا ہے، کہ

احوال اکثر آنہا ملال اندوز گردد،

اور مصحفی نے بھی اس کمی کو پورا نہین کیا بلکہ اور تذکرون سے بھی زیادہ بخل و کم بینی سے کام لیا مثلاً میر صاحب نے بھی کم از کم شعرائے دکن کے نام گنا دئے ہین، اور میر حسن نے تو ہر ردیف کے متعلق تین دور (متقدمین، متوسطین، متاخرین) قائم کر دئے ہین اس لیے ان کے تذکرے مین قدما کا ذکر نسبتہً زیادہ جامعیت کے ساتھ آگیا ہے، لیکن مصحفی نے صرف ایک محدود دور کے شعرا، کا تذکرہ لکھا ہے، چنانچہ خود لکھتے ہین،

دلبقید حروف تہجی اسامی قدیم شعرا عہد فردوس آرام گاہ تا شعرائے زمانہ شاہ عالم بہادر غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وافاض علی العالمین برہ واحسانہ ہمت گماشت

تاہم اس تحدید کا یہ مفید نتیجہ ضرور ہوا کہ اس تذکرہ مین زیادہ تر معاصرین شعرار کے چشمدید اور مستند حالات کا ذخیرہ مل سکتا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہین،

بیشتر دران ذکر معاصرین است کہ احوال ہر یکے بچشم خود دیدہ وحسن وقبح مراتب سخن ہر کس دارسیدہ وکم کم احوال بعضے از متقدمین نیز بطریق تیمن صورت اندراج یافتہ فرق زبان ریختہ سابق وحال بر ہوشمندان پیداست،

یہ تذکرہ تیار ہوا تو ایک مدت تک مسودہ کی صورت مین پڑا رہا اور دوبارہ نظر ثانی کی نوبت نہین آئی، لیکن جب لکھنو مین شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کی لطف وعنایات سے مصنف کو اطمینان نصیب ہوا تو اس کا مسودہ صاف ہوا اور اس نے ایک موزون کتاب کی صورت اختیار کی، چنانچہ مصحفی خود لکھتے ہین،

از تشتت حواس و پریشانی خاطر و ناساعدی زمانہ کجا فرصت آن داشت کہ تصیح احوال واشعار بروے کار آرد، اما اکنون کہ بہ نیروے مرشد زادۂ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر دام اقبالہ مورد گوناگون مہربانی آن مہر سپہر خلافت وجہانداری فرصت غنیمت شمردہ

می شود، این تذکرہ را کہ از چند سال بطاق نسیان افتادہ بود صاف نمودہ و درست ساختہ احوال اکثرے در وبشرح وبسط مسطور است واحوال بعضے از متاخرین کہ مبتغی آگاہی بر اوقات آنہا حاصل نشد بطور بیاض تحریر یافت،

قطعہ

غرض نقشے است کز ما یاد ماند | کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے برحمت | کند در کار این مسکین دعائے

امید کہ بنظر قبول آن والاجناب درآمدہ مقبول دلہا گردد،

قطعہ

چون کہ از فضل خدا ساختہ شد | جلد این تذکرہ مانند بہشت
سال او چون ز خرد پرسیدم | یکہزار و دو صد و نہ بنوشت

تاریخ

چون ز انعام خدائے کارساز | شد مرتب این کتاب دلپذیر
بسکہ در معنے نظیر خود نداشت | گفتہ شد تاریخ جلد بے نظیر

ندوہ کے کتب خانے مین اس کا جو نسخہ موجود ہے وہ خود مصحفی ہی کے زمانہ مین لکھا گیا ہے چنانچہ اخیر مین یہ عبارت

تذکرۂ شعرا تصنیف مصحفی شاعر مسودہ و دستخطی

درج ہے اور اس کے بعد مصحفی کے دستخط ثبت ہین، اگرچہ اس دستخط اور اس عبارت سے یہ استدلال نہین کیا جا سکتا کہ یہ نسخہ خود مصحفی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے کیونکہ خط مختلف ہے، یکسان نہین ہے، تاہم اس مین شبہہ نہین کہ یہ مسودہ مصحفی کے سامنے لکھا گیا ہے اور خود ان کے ہاتھ کی تحریر کا کافی حصہ اس مین

موجود ہے، بعض جگہ قطع وبرید کی ہے، جا بجا حواشی پر اکثر اضافے کیے ہین، بعض صفحے سادہ چھوٹے ہوے ہین، اور غالبًا یہ جگہ کسی شاعر کے تذکرہ کے لیے چھوڑی گئی ہوگی، بعض شعرا مثلاً شاہ ملول کا تذکرہ خفیف سے تغیر اور خفیف سے اضافہ کے ساتھ دو جگہ آیا ہے، ابتدا مین خط موٹا اور بھدا ہے اور غالبًا مصحفی کا خط یہی ہے، بعد کا خط نہایت پختہ اور منشیانہ ہے اور غالبًا اس کو کاتب نے لکھا ہے، کاتب نے اگرچہ اپنا نام نہین لکھا ہے تاہم مولوی عبدالماجد صاحب بی اے نے مصحفی کی مثنوی بحر المحبت پر جو دیباچہ لکھا ہے اس مین تحریر فرماتے ہین،

جو قلمی نسخہ پیش نظر ہے، چھوٹی تقطیع کے قدیم دبیز کاغذ پر تحریر ہے، کاتب کوئی صاحب طاہر الزمان نامی ہین، کاتب صاحب بہت ہی کم استعداد معلوم ہوتے ہین، املا، وکتابت کی بہت موٹی اور فاحش غلطیان کی ہین، مثنوی کو ہر جگہ "مسنوی" لکھا ہے، الخ

اور یہ تمام خصوصیات اس نسخہ مین بھی موجود ہین، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون نسخون کو ایک ہی کاتب نے لکھا ہے، اس موقع پر یہ تاریخی نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ قدیم زمانے مین بعض شعر دوست لوگ اساتذہ کی خدمت مین رہتے تھے، اور ان کے دیوان کو صاف کیا کرتے تھے، چنانچہ مصحفی نے فخر الدین ماہر کے حال مین لکھا ہے

مدتے بخدمت مرزا رفیع السودا اوقات عزیز خود را بکتابت دیوانش صرف ساختہ ازین جہت اکثر اوقات خود را از مصاحبان و شیران مرزا می شمارد،

بعض خوش عقیدہ لوگ خود اپنے لیے اساتذہ کے دواوین کی نقلین کرتے تھے، مصحفی کے معتقدین مین شاہ کمال الدین کمال اسی قسم کے بزرگ تھے، چنانچہ خود مصحفی لکھتے ہین،

بمقتضائے موزونی طبع شوق شعر از طفولیت دامنگیر بود ازین جہت دواوین اساتذہ سلف وحال را زیادہ جمع نمودہ × با کلام این خاکسار ہم از تہ دل دوستی دارد چنانچہ ہر سہ

دیوان را بدست خود نقل گرفتہ و تذکرہ را کہ تیار شدہ بخریدارے تمام بردہ،

غالبًا مرزا رفیع سودا کی طرح اسی قسم کا کوئی کاتب مصحفی کو بھی ہاتھ آگیا ہوگا جس نے اس تذکرے کے بعض اجزا صاف کیے ہین، اور خود مصحفی نے بعض شعرا کے حالات اپنے ہاتھ سے لکھے ہین، اور بعض شعرا کے تذکرے مین اپنے قلم سے خود اضافے کیے ہین، بہر حال مختلف نسخون کے موازنہ و مقابلہ سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اس مسودہ نے مبیضہ ہوکر کیا شکل اختیار کی ہے،

میرا ور میر حسن کی طرح اس تذکرے مین مصحفی نے جو ادبی اور تاریخی نکتے لکھے ہین، ان سے ہم نے شعر الہند مین کام لیا ہے، اس لیے اس وقت صرف اس حیثیت سے نظر ڈالنا چاہتے ہین، کہ اس سے خود مصنف تذکرہ کے حالات مین کیا اضافہ ہوسکتا ہے،

ہمارے تذکرہ نویسون مین میر نے تو مصحفی کا نام ہی نہین لیا، تذکرہ گلشن بیخار مین ان کی نسبت لکھا ہے کہ

ابتدائش انتہائے دورہ سودا

اور اس لحاظ سے میر نے جس زمانے مین اپنا تذکرہ لکھا ہے غالبًا یہ اس قابل نہ ہونگے کہ موجودہ شعرا کی صف مین جگہ پائین لیکن میر کے علاوہ اور تمام تذکرہ نویسون، نے اون کا جو حال لکھا ہے اوس کا خلاصہ یہ ہے کہ غلام ہمدانی نام اور مصحفی تخلص تھا، میر حسن نے اپنے تذکرے مین لکھا ہے کہ

از تخلص او معلوم می شود کہ مردے صالح است

لیکن قدرت اللہ شوق نے اپنے تذکرے مین تصریح کی ہے کہ

جوان حافظ قرآن شوق تلاوت قرآن مجید و فرقان حمید در وش زیادہ از حد بود ہمین سبب مصحفی تخلص میکرد جوان سعادت مند مجنون و مسکین،

مصحفی اگرچہ خود امروہہ کے ایک قصبہ اکبرپور مین پیدا ہوئے تھے تاہم میرحسن نے اس کے بعد
ہی غالبًا ان کو اہل زبان بنانے کے لیے یہ دفعہ دخل بھی کردیا ہے کہ

وطن بزرگانش از قدیم متصل دہلی،

قدرت اللہ شوق نے ان کو "متوطن شاہ درہ" لکھا ہے، بہرحال وہ عنفوان شباب مین دلی
آئے اور میرحسن کے زمانے تک تاجرانہ حیثیت سے زندگی بسر کرتے رہے چنانچہ میرحسن اپنے تذکرہ
مین لکھتے ہین،

الحال در شاہجہان آباد بہ پیشۂ تجارت بسر می برد،

شاعری کا شوق اگرچہ بچپن سے تھا تاہم اونھون نے دلی مین اس حیثیت سے کوئی نمایان
امتیاز حاصل نہین کیا، اونکی اصلی شہرت لکھنؤ مین آکر ہوئی اور انھی اطراف کے لوگون نے زیادہ تر اون
سے کسب فن کیا، چنانچہ قدرت اللہ شوق اپنے تذکرے مین لکھتے ہین،

سخن او الحال بمرتبہ رسیدہ کہ حالا در لکھنؤ در جرگۂ شعرا داخل است،

نواب مصطفٰے خان شیفتہ گلشن بیخار مین تحریر فرماتے ہین،

در بلاد مشرق بسیار مسلم و بہ اوستادے علم بودہ و اکثر سخنور آن بلدان اکتساب
فن از و کردہ اند،

مصحفی نے اس تذکرہ کے آخر مین خود بھی اپنے حالات لکھے ہین، اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ
ان کے آبا و اجداد حکومت وقت کے اعلی مناصب پر سرفراز تھے، اور خوش حالی سے زندگی بسر کرتے
تھے لیکن مصحفی بخت و طالع مین انکے برابر نہ تھے، یہ معلوم نہین کہ وہ خود دلی کب آئے؟ اور
کیون آئے؟ تاہم وہان بارہ برس تک نہایت خودداری کے ساتھ زندگی بسر کی،
مولانا محمد حسین آزاد نے ان کے حالات آب حیات مین نہایت تفصیل سے لکھے ہین،

اور حسب عادت اوس مین زبانی روایتون کے ذریعہ سے بہت کچھ نمک مرچ لگایا ہے، چنانچہ اوسکا خلاصہ
حسب ذیل ہے.

مصحفی تخلص، غلام ہمدانی نام، باپ کا نام ولی محمد، امروہہ کے رہنے والے تھے، آغاز جوانی
مین دلی مین آکر طالب علمی کی اور قوت شاعری بہم پہنچائی، مشاعرہ بھی کیا کرتے تھے، اور ان کی
خوش خلقی سے تمام معزز لوگ اوس مین شامل ہوتے تھے آصف الدولہ کے زمانے مین لکھنؤ پہونچے
اور مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار مین ملازم ہوئے.

تصنیفات مین اردو کے ۶ دیوان، دو تذکرے شعرائے اردو کے، ایک تذکرہ فارسی کا اور
ایک دیوان فارسی کا ہے، نہایت پرگو تھے، دو تین تختیان پاس دھری رہتی تھین، جب مشاعرہ
قریب ہوتا تو اون پر اور مختلف کاغذون پر طرح مشاعرہ مین شعر لکھنے شروع کرتے، اور برابر لکھتے
جاتے، عین مشاعرہ کے دن ارباب لکھنؤ آتے اور ۸ رسے عمر تک اور جہان تک کسی کا شوق مدد
کرتا وہ دیتا، یہ اس مین سے ۹-۱۱-۱۲ شعر کی غزل نکالکر حوالہ کردیتے اور ان کے نام کا مقطع کردیتے
ان مین اور سید انشا مین جو معرکہ آرائیان رہین اونکی ابتدا اس طرح ہوئی کہ اول مرزا
سلیمان شکوہ کی غزل کو شیخ مصحفی بنایا کرتے تھے، جب سید انشا پہنچے تو غزل ان کے پاس آنے لگی،
چند روز کے بعد شیخ صاحب کی تنخواہ مین تخفیف ہوئی، اور ۴۰ سے پانچ روپے رہ گیے، پھر بھی باہم
آمد و رفت جاری رہی اکثر غزلون مین دونون باکمال طبع آزمائی کرتے تھے اور کچھ کچھ مخفی طور پر چھیڑ
ہوتی رہتی تھی، ایک دن شیخ مصحفی نے مرزا سلیمان شکوہ کے جلسہ مین ایک غزل پڑھی جسکا مقطع یہ ہے

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ تھی اوسکی دھری چشم پہ تابوت مین اونگلی

یارون نے اس غزل کو اولٹ پلٹ کر مصحفی کے کلام کو بہت خراب کیا اکثر اشعار نہایت فحش
ہین البتہ مقطع صاف ہے،

تھا مصحفی کا ناچو چھپانے کو پس از مرگ　　رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت مین انگلی

یہین سے فساد کی بنیاد قائم ہوئی، انھی دنون مین ایک مشاعرہ مین غزل طرح ہوئی اور اس مین مصحفی نے بھی آٹھ شعر کی غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے،

سر شک کا ہے تیرا تو کافور کی گردن　　نے موئے پری ایسے نہ یہ حور کی گردن

سید انشا نے بھی اس زمین مین غزل لکھی اور ایک قطعہ بھی لکھا جس مین مصحفی کی غزل پر حسب ذیل اعتراضات کیے،

کافور کی گردن صحیح نہین،

سقنقور کی گردن صحیح نہین،

بلور کی گردن لکھنا مناسب نہین،

مصحفی نے اسی زمین مین اس قطعہ کا جواب دیا اور سید انشا پر متعدد اعتراضات بھی کیے نوبت یہان تک پہنچی کہ مصحفی کے تلامذہ مین منتظر اور گرم نے ہر طریقہ سے مصحفی کی مدافعت کی اور ایک مثنوی لکھکر گرم طپانچہ نام رکھا، اس کے بعد شہدون کا ایک سوانگ بھرا اور ہجو کہکر اس کے اشعار پڑھتے ہوئے سید انشا کی طرف روانہ ہوئے، اور مستعد تھے کہ زد و کشت سے بھی دریغ نہ ہو، لیکن سید انشا نے خلاف توقع ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا، مٹھائیان کھلائین، ہار پہنائے وغیرہ وغیرہ لیکن پھر سید انشا نے اس کے جواب مین ایک انبوہ کثیر برات کے سامان سے ترتیب دیا اور عجیب وغریب ہجوین تیار کرکے لوگون کو دین، کچھ ڈنڈون پر پڑھتے جاتے تھے، کچھ ہاتھیون پر بیٹھے تھے، ایک ہاتھ مین گڈا ایک مین گڑیا دونون کو لڑاتے تھے، اور زبانی ہجو پڑھتے جاتے تھے جس کا ایک شعر یہ ہے،

سوانگ نیا لایا ہے دیکھنا چرخ کہن　　لڑتے ہوئے آتے ہین مصحفی و مصحفن

ان معرکون مین مرزا سلیمان شکوہ بلکہ اکثر امرا نے سید انشا کا ساتھ دیا اور حریف کے سوانگ کو کوتوال سے کہکر ایک دفعہ رکوا دیا جس سے مصحفی سخت شکستہ خاطر ہو گئے،

ان جھگڑون مین بعض اشعار پر مرزا سلیمان شکوہ کو شبہہ ہوا کہ ہم پر بھی شیخ مصحفی نے چوٹ کی اس کے عذر مین انھون نے ایک قصیدہ لکھا،

اب خود اس تذکرہ کی ضمنی تصریحات سے مصحفی کے جو حالات معلوم ہو سکتے ہین وہ یہ ہین کہ ان کو شعر و سخن کا شوق ابتدائی زمانہ طالب العلمی ہی سے تھا، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہین

فقیر ہمراہ استاد خود روزے در عالم مکتب نشینی وابتدائے شوق موزونی بصحبت ایشان (سید محمد زمان) رسیدہ

یہ معلوم نہین ہوتا کہ امروہہ سے دلی مین کب آئے؟ اور کیون آئے؟ اور انکی شاعری نے یہان آکر کیا ترقیان کین؟ تاہم اونکی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہان انھون نے ایک مشاعرہ قائم کیا تھا جس مین اکثر شعرا شریک ہوتے تھے، اور بعض لوگون نے ان کے ساتھ سلسلۂ تلمذ بھی قائم کیا تھا، چنانچہ ایک موقع پر اسد کے حال مین لکھتے ہین،

اکثر در مشاعرہ فقیر در شاہجہان آباد می رسید،

امین الدین خان امین کے تذکرہ مین تحریر فرماتے ہین،

در شاہ جہان آباد ہمسایہ راقم بود و شریک صحبت مشاعرہ،

مست کے حال مین لکھتے ہین،

مؤلف در آن روزہا غزلے کہ طرح کردہ بود مصرعش را در مقطع تضمین کردہ آوردہ است و آن این است،

مشاعرے مین چل اے مست مصحفی جو کہے　　کبھو ملا تو کرو بارے مہربان ہم سے

اکبر کے حال مین لکھتے ہین،

دران ایام کہ فقیر در شاہ جہان آباد طرح مشاعرہ انداختہ اول برائے اصلاح شعر رجوع بفقیر داد، وہ بعد چندے بخدمت شاہ حاتم رفتہ استفادہ کلی از ذات بابرکات ایشان برداشتہ

نالان کے حال مین لکھتے ہین،

اول کسیکہ در شاہ جہان آباد بحلقہ شاگردی فقیر در آمدہ این ست میر حسن صاحب اور او تذکرہ خود شاگرد شاہ حاتم نوشتہ اند محض غلط،

دلی سے نکل کر وہ پہلے ٹانڈے مین آئے، اور شیخ قیام الدین قائم کی سفارش سے نواب محمد یار خان کی سرکار مین ملازم ہوگئے، اگرچہ نواب صاحب موصوف کے اصلی اوستاد قائم تھے، تاہم خود مصحفی اور قائم کے تعلقات اس قدر عمدہ ہوگیے تھے کہ نواب موصوف کی غزلین بھی دیکھتے تھے، چنانچہ قائم کے تذکرے مین لکھتے ہین،

دران ایام باعث قصیدہ خواندن و نوکر شدن مولف در سرکار نواب موصوف این بزرگ شدہ بود در عرصۂ قلیل بسبب سلیم مزاجی و بسبب تام شاعری رابطہ شدید بہم رسانیدہ کاغذہائے مسودہ اشعار نواب راکہ برائے اصلاح پیش می آمد از کم دماغی بدست مشورہ فقیری داد، چنانچہ سہ ماہ ہمین طور بیکجا گذرانیدہ ایم و تمام دچاشت بیک سفرہ گفتہ واللہ کہ یاد آن صحبت گذشتہ داغ ناکامی بر دل آرزومندی گذارد،

لیکن جب نواب محمد یار خان انقلاب زمانہ کے شکار ہوئے تو یہ لکھنؤ چلے آئے اور ایک برس رہ کر پھر دوبارہ دلی واپس گیے، چنانچہ نواب محمد یار خان کے تذکرہ مین لکھتے ہین،

دران ایام بے تمیزی ہر یک از ندمائے و شعرائے مجلس جا جدا راہے در پیش گرفتند فقیر دران حادثہ جانگزا بلکھنؤ رسیدہ بود بعد انقضائے مدت یک سال بشاہ جہان آباد رفتہ رخت اقامت دران دیار مینو نشان انداخت،

اس کے بعد اونھون نے لکھنؤ کا دوسرا سفر کیا لیکن یہ معلوم نہین ہوتا کہ وہ کس توسل سے آئے اور کہان قیام کیا، وہ خود لالہ کانجی لال حیا کے تذکرے مین لکھتے ہین،

فقیر در ایامیکہ وارد این شہر بود چندے حسب اتفاق بر مکان ایشان اقامت داشتہ است

لیکن اس عبارت سے یہ بھی معلوم نہین ہوتا کہ یہ واقعہ سفر اول کا ہے یا سفر ثانی کا، بہرحال وہ لکھنؤ مین اگر گمنام نہین رہے، بلکہ لوگون نے مختلف طریقون سے اونکی قدردانی کی، چنانچہ انھون نے جابجا ان قدردانیون کا حال لکھا ہے، مثلاً مرزا رضا قلی آشفتہ کے تذکرے مین لکھتے ہین،

درایامے کہ فقیر از شاہ جہان آباد بلکھنؤ آمدہ اول طرح مشاعرہ او انداخت،

پروانہ عرف کاکاجی کے حال مین لکھتے ہین،

در روزہائے کہ مولف از شاہ جہان آباد بلکھنؤ رسیدہ چون غائبانہ ہمیشہ مشتاق ملاقات میماند خبر آمدن این خاکسار شنیدہ بسیار بہ دلی گرمی و تپاک پیش آمدہ و از ہمان ایام عطف عنان فکر شعر فارسی بطرف ریختہ کردہ خود را شب و روز در گفتن شعر ہندی مصروف داشت،

تسلی کے تذکرے مین لکھتے ہین،

پسر گوپال رائے بخشی برادر خورد بھولاناتھ کہ خدمت دیوانی کچہری بخشی گری فوج نواب وزیر بکلی تعلق با ایشان دارد × اکثرے از مثنویہائے و دواوین اساتذہ جمع ساختہ انتخاب زدہ نویسانذہ، چنانچہ فقیر ہم دیوان فارسی و دیوان ہندی خود و تذکرہ فارسی حسب الارشاد نوشتہ داد و دیوان اول فقیر را در ایام مکتب نشینی کہ فقیر دران روز نووارد این شہر بود از کمال اشتیاق آدم فرستادہ طلبیدہ بدست خود در عرصۂ قلیل نقل گرفتہ × دوبارہ غزل ہندی کہ گفتہ مشاطگی آن را موقوف برائے فقیر داشتہ، فقیر ہم دران جملہ مرہون حسن سلوک این بلند اقبال است،

ان قدر دانیون کے ساتھ ملازمت کے بھی بعض سلسلے قائم ہوئے، مثلاً اختر کے تذکرے مین لکھتے ہین،

فقیر دران ایام رفیق میر محمد نعیم خان صاحب بود،

نواب سالار جنگ مرحوم کے صاحبزادون مین ایک صاحب سرسبز تخلص کرتے تھے مصحفی نے چار سال تک ان کے یہان بھی نہایت عزت کے ساتھ ملازمت کی، چنانچہ لکھتے ہین،

فقیر تا مدت، چار سال بصیغہ شاعری ملازم و رفیق ایشان، ماند بہ بار بعزت و حرمت می داشتند،

لیکن ان کی زندگی کا اصلی دور مرزا سلیمان شکوہ کی ملازمت سے شروع ہوا جس کی کیفیت انھون نے خود نہایت تفصیل سے لکھی ہے،

در ایامے کہ حکم بہ ترتیب مجلس مشاعرہ شدہ بود اکثرے از کاردانان این فن در حضور آمدہ حاضری شدند این فقیر حقیر ہمچون نسبت دیگران باوصف گوشہ نشینی کار زیادہ رسوائی داشت بگفتہ میر انشاء اللہ خان حسب الطلب حضور باوصف کم شغلی و شکستہ حالی شریک مجلس یاران شدہ بود چنانچہ ازہمان تاریخ در حلقہ ملازمان حضور در آمد، و بعد چندے از کلام فقیر محظوظ شدہ در جائزہ قصیدہ مدحیہ مشتمل بر تہنیت عید بانعام احترا از حضیض خاک باوج افلاک رسانید،

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصحفی نے مرزا سلیمان شکوہ کے مشاعرے مین میر انشاء اللہ خان کی تحریک سے شرکت کی تھی اور اسی دن سے وہ ملازم ہوگیے تھے، لیکن درحقیقت، اونکی ملازمت کا زمانہ قصیدہ عیدیہ کے پیش کرنے کے بعد سے شروع ہوا جس کی تقریب نواب بارگاہ قلی خان کے بڑے صاحبزادے قسمت نے کی تھی، چنانچہ وہ خود ان کے تذکرے مین لکھتے ہین،

در زمانے کہ ایشان مع والد بزرگوار خود بحضور مرزا جہاندار شاہ مختاری امور کلی داشتند

مقرب ملازمت این خاکسار بے مقدار بجناب مرشدزادہ آفاق زبان سحربیان ایشان شدہ بود و وعدہ بروز عید داشتند چون بسبب کثرت ازدحام صغیر و کبیر موقع خواندن قصیدہ ندیدند برائے پاس خاطر من کہ قطعہ مختصر تہنیت عید نیز در آستین داشتم آنرا گرفتہ وصف امراو غیرہ نگاشتہ بدست شاہزادہ دادند و مرا در و برو کردند،

مولانا محمد حسین آزاد نے مصحفی کی لائف یہین سے شروع کی ہے اور انکی زندگی کے تمام ابتدائی واقعات چھوڑ دئے ہین، لیکن اس سلسلے مین بھی اونھون نے جو کچھ لکھا ہے اوس کو محض زبانی روایتون کی بنا پر لکھا ہے، اس تذکرے سے اوسکی تائید نہین کیجا سکتی، وہ لکھتے ہین،

اول مرزا سلیمان شکوہ کی غزل کو مصحفی بنایا کرتے تھے، جب سید انشار پہونچے تو غزل انکے پاس آنے لگی، چند روز کے بعد شیخ صاحب کی تنخواہ مین تخفیف ہوئی اور صرف پانچ روپیے رہ گئے،

لیکن مصحفی کے تذکرے سے کہین اشارۃً بھی یہ ثابت نہین ہوتا کہ مصحفی اور انشار مین سے کوئی شخص مرزا سلیمان شکوہ کا اوستاد تھا، ایک موقع پر مصحفی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا سلیمان شکوہ اور سید انشا مین نہایت گہرے تعلقات تھے، لیکن اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تعلق بھی برادرانہ تھا استادانہ نہ تھا، سید انشار ہی کی تحریک سے مصحفی مرزا سلیمان شکوہ کے بزم مشاعرہ مین جیساکہ انھون نے خود لکھا ہے،

بگفتہ میر انشاء اللہ خان حسب الطلب حضور باوصف کم شغلی و شکستہ حالی شریک مجلس یاران شدہ بود چنانچہ ازہمان تاریخ در حلقہ ملازمان حضور در آمد،

اس لیے یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ،

اول مرزا سلیمان شکوہ کی غزل کو مصحفی بنایا کرتے تھے، جب سید انشار پہنچے تو غزل

ان کے پاس آنے لگی،

مولوی محمد حسین آزاد نے سید انشا کے حالات مین بزرگون کی زبان سے اس روایت کی تائید کی ہے، اور مرزا سلیمان شکوہ کے اس شعر سے،

دل اب تو عشق کے دریا مین ڈالا　　توکلت علے اللہ تعالے

یہ قیاسی استدلال کیا ہے کہ سید انشا ایسی تضمینون کے بادشاہ تھے، لیکن اس تذکرے کی خاموشی کی حالت مین یہ قیاسی استدلال بالکل غیر تشفی بخش ہے،

مصحفی نے اپنی ملازمت کے ذکر مین تنخواہ کی کوئی تعداد نہین بتائی، اور اگر یہ مان لیا جائے کہ انکی تنخواہ ۴۰ تھی تو اس کو تو کسی طرح تسلیم نہین کیا جا سکتا کہ مرزا سلیمان شکوہ نے اس کو گھٹا کر پانچ روپئے کر دئے، مصحفی کی بے غیرتی کے علاوہ اس مین خود مرزا سلیمان شکوہ کی توہین تھی،

مولوی محمد حسین آزاد نے مصحفی کے جن اشعار سے استدلال کیا ہے غالبًا وہ مصنوعی اور الحاقی ہونگے سوانگ کی نسبت اونھون نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدا مصحفی کی جانب سے ہوئی، پھر سید انشا نے اس کے جواب مین دوسرا سوانگ نکالا، مصحفی نے خود اپنے تذکرہ مین اس اہم واقعہ کی نسبت کچھ نہین لکھا، لیکن شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کی معذرت مین اونھون نے جو قصیدہ لکھا ہے اور جس کو مولوی محمد حسین آزاد نے بھی نقل کیا ہے اُس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ سوانگ کے بانی تھے،

مگر یہ بات مین مانی کہ سوانگ کا بانی	اگر مین ہون تو مجھے دیجئے بدترین تعزیر
مین آپ فاقہ کش، اتنا مجھے کہان مقدور	کہ فکر اور کرون کچھ بغیر آتش و شعیر

مولوی محمد حسین آزاد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ذلیل حرکتون مین مرزا سلیمان شکوہ کی بھی شرکت تھی چنانچہ وہ لکھتے ہین،

ان معرکون مین مرزا سلیمان شکوہ بلکہ اکثر امرا نے سید انشا کا ساتھ دیا اور حریف کے سوانگ کو کوتوال سے کہکر ایک دفعہ رکوا دیا جس سے مصحفی سخت شکستہ خاطر ہوگیے،

خود اس تذکرہ کی زبان تو اس معاملہ کی نسبت خاموش ہے، البتہ دوسری شہادتون سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ امرا، و رؤسا، انشار کے حامی اور طرفدار تھے، چنانچہ مصحفی کے شاگرد منتظر نے انشار کی جو ہجو لکھی ہے اس مین لکھتے ہین،

مت خوف سلاطین سے تو مجھکو ڈرا بے	وہ تو ہی ہے جسکو کوئی ڈانٹے کوئی دابے
دہشت کی تو میرے تئین باتین نہ سنا بے	کی ہجو اگر مین نے تو کیا قہر کیا، بے

نے دین مرا اس مین نہ دنیا گئی بھڑوے

غزلون پر باہم جو ردو قدح ہوئی ہے اس کا ذکر بھی اس تذکرہ مین نہین ہے، تاہم منتظر کے اشعار سے اسکی تائید ہو سکتی ہے،

پڑھ منتظر اس بحر و قوافی مین غزل وہ	دکھلاوے جو ماہی سقنقور کی گردن
ہو سکتی ہے ماہی سقنقور کی گردن	لیکن نہین ثابت شب دیجور کی گردن
لنگور کا وہ قافیہ ایسا تھا کہ جیسے	باندھے دم لنگور سے لنگور کی گردن
حاسد وہ ترش گو ہو کہ کچھ اُس سے نہین دور	باندھے وہ اگر شعر مین انگور کی گردن
کس طرح سے خم دیوے کوئی منتظر اسکو	پتھر سے بنی ہووے جو بلور کی گردن

مصحفی کی یہ شرافت اور متانت ہے کہ انھون نے ان ناگوار واقعات کا ذکر اپنے تذکرے مین نہین کیا ہے البتہ منتظر کے حالات مین جو مدحیہ فقرے لکھے ہین ان مین صرف اس قدر لکھا ہے کہ

اگرچہ بعض اشخاص معنوی ذہانت طبعش را دیدہ بسیار خواستند کہ او را ابطرفیے بحلقہ تبعیت خویش کنند، ہرگز التفات بگفتن ایشان نہ کرد تا آنکہ پیر گشت راسخ الاعتقادی

خویش بہ مقام والا شاعرے رسیدہ حالا برائے کلہ شکنی آنہا برابر موجود است،

مولنا آزاد نے سید انشار کے ساتھ جرأت کو بھی اونکے حریفون مین شامل کرلیا ہے، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہین،

انھین عادت تھی اکثر جگہ معاصرین پر چوٹ بھی کرجاتے تھے، چنانچہ کہا ہے،

بکھو مین جرأت نہین ہون مصحفی سحر بیان	میر و مرزا سے لڑانے یہ غزل جاؤن گا
اور تو تانی کوئی اوس کا نہین	مصحفی کا ہے قتیل البتہ چوٹ

اکثر غزلون کے مقطع مین اپنے فخرئے، اور ملک سخن کی بادشاہی کے دعوے، اور مشاعرے کا اپنے دم قدم سے قائم ہونا، اور سب شعرا کو اپنا خوشہ چین کہدینا ایک بات تھی، اور یہ دعوے کچھ بیجا بھی نہ تھا، مگر جب سید انشار، اور جرأت وہان پہنچے تو نتیجہ برا ظاہر ہوا،

مصحفی کی اس شاعرانہ فخاری سے انکار نہین، لیکن انشار کے سوا اون کے تعلقات اور تمام معاصرین کے ساتھ نہایت شگفتہ تھے، چنانچہ انھون نے اپنے تذکرے مین جابجا ان تعلقات کا ذکر کیا ہے، مثلاً جرأت کے متعلق ایک شاگرد کے تذکرے مین لکھتے ہین،

روزہائے کہ میر موی الیہ ہمراہ مرزا حاجی کہ از کربلائے معلیٰ آمدہ بود، بلکھنو آمد فقیر در آن ایام رفیق میر محمد نعیم خانصاحب بود × درہمان روزہا با فقیر نیز نیازمندی پیدا کردہ چیزے شکستہ ولبستہ خود را برائے اصلاح اکثرمے آورد، چون چند سال برین بگذشت ورزگار فقیر برہم خورد و وحشت مزاج بران زیادہ گردید مطلقاً تشعر و شاعری سروکار نماند بلکہ نفرت کلی رو داد موی الیہ موافق معمول برائے اصلاح مے آمد متصدعہ اوقات آزادگی می شد لہذا جواب دادم دگفتم کہ مرا دماغ اصلاح نماندہ است پیش میان قلندر بخش جرأت بروید واکنون شعر خود را بایشان مے نمائید، اول راضی برین نبود آخر چون دید کہ طبیعت ایشان آزردہ می شود پیش

مشار الیہ رفت وصورت حال را ظاہر کرد، جرأت گفت کہ میان من و ایشان دوستی است وقول شما را چہ اعتبار اگر رقعہ از دست ایشان نویسانیدہ بیارند مضائقہ ندارد آخر کار چون روز دوم آمد، درخواست رقعہ از من کرد، نوشتہ دادم، از ہمان تاریخ انچہ گفتہ دمی گوید بہ جرأت می نماید،

بقا جن کی زد سے میر و سودا بھی نہ بچ سکے مصحفی کے رفیق و ہمدم تھے، چنانچہ لکھتے ہین،

با فقیر رابطہ آشنائی بسیار مربوط است بلکہ اکثر در شاہ جہان آباد چندے یک جا بودم و شام چاشت بہ اتفاق ہم می کردیم،

نوا، بقار کے ارشد تلامذہ مین تھے، لیکن مصحفی اور بقار کے دوستانہ تعلقات کا یہ نتیجہ تھا کہ بقار کے تعلق سے نوا، مصحفی کو چچا کہتے تھے، چنانچہ ان کے تذکرہ مین لکھتے ہین،

بسبب دوستی کہ میان بقار اللہ از قدیم الایام در پایہ برادریست بلکہ افزون تر فقیر را عمو می گوید،

میر سوز کے تذکرے مین لکھتے ہین،

بسیار مہربانی فرماید و غایب و حاضر از مزخرفات این ہیچمدان خط وافر برداشتہ بتکلف در ستائش دوستانہ می افزاید،

غرض مصحفی ایک مرنج و مرنجان شاعر تھے، انشار کی شرارتون نے اگرچہ اونکو اون کے ساتھ دست و گریبان رکھا، لیکن جرأت کے ساتھ اونکی آویزش ثابت نہین ہے، اور نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کا یہ بیان صرف تغلیبی ہے کہ،

باجرأت و انشا مشاعرات و مطارحات کردہ است،

مصحفی کی تصنیفات کی فہرست تذکرہ گلشن بیخار مین حسب ذیل دی ہے،

ششش دیوان ریختہ ودو تذکرہ تمام کردہ و دیوانے در فارسی و تذکرہ ہم دارد،

مولنٰا محمد حسین آزاد نے یہ فہرست اسی تذکرے سے نقل کی ہے اور اس پر کچھ اپنی معلومات کا اضافہ بھی کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہین،

عام تذکرے گواہی دیتے ہین کہ ان کی تصنیفات مین چھ دیوان اردو کے تمام و کمل ہین چنانچہ ایک قصیدہ دعائیہ مین کہتے ہین،

مصحفی آج دعا مانگے ہے تجھ سے یارب | ایک ہے ذات تری سب پہ غفور اور رحیم
یہ جو دیوان چھئون اس کے ہین مانند سہیل | بزم شاہان مین لباس اُنکا رہے جلد ادیم

دو تذکرے شعرائے اردو کے، ایک تذکرہ فارسی کا اور ایک دیوان فارسی کا لکھا،

مگر راقم کے پاس جو ان کے دیوان ہین ان مین سے ایک پر دیوان ہفتم لکھا ہے اور ایک دیوان اور ہے اس مین سید انشار کے جھگڑے بھی ہین، یہ آٹھوان ہوگا کہ سب سے اخیر ہے،

اس تذکرے سے اونکی تصنیفات کی کوئی یقینی اور مکمل فہرست مرتب نہین کی جا سکتی کیونکہ اس تذکرہ کے بعد اون مین اور اضافہ ہوا ہوگا تاہم بعض باتین زاید معلوم ہو سکتی ہین، چنانچہ وہ اپنی تصنیفات کے متعلق لکھتے ہین،

دو دیوان فارسی بزبان فصیح کہ یکے در جواب مولنٰا نظیری نیشاپوری ہنوز ناتمام است ویکے بطور خود با تمام ست دیکے بطور خود تمام و سہ دیوان ہندی دو و تذکرہ یعنی فارسی و ہندی ویک دو جزو شاہ نامہ تانسب حضرت شاہ عالم بہادر و یک دیوان ہندی کہ در شاہجہان آباد گفتہ مع مسودہ دیوان فارسی اول کہ زبانش بطور جلال اسیر و ناصر علی بود بدزدی رفتہ،

مولنٰا محمد حسین آزاد نے تذکرون کی نسبت لکھا ہے کہ،

ان مین اپنے کل شاگردون کی بھی فہرست دی ہے،

اور اس سے ناسخ کے حالات مین یہ استدلال کیا ہے کہ وہ مصحفی کے شاگرد نہین ہو سکتے،

کیونکہ اونھون نے اپنے تذکرے مین تمام شاگردون کے نام لکھدیئے ہین، اونکا نام نہین ہے،

اس تذکرے کے بعد اگر مصحفی نے شعرائے اردو کا کوئی تذکرہ لکھا ہے تو ہم کو اوس کا حال معلوم نہین لیکن اس تذکرے مین اونھون نے اپنے تلامذہ کی کوئی فہرست نہین دی ہے، شعرا کے حالات مین بے شبہہ وہ اور تذکرہ نویسون کی طرح لکھتے جاتے ہین کہ فلان کے شاگرد ہین، اور اسی سلسلے مین خود اون کے تلامذہ کا نام بھی آجاتا ہے، لیکن اس کو مکمل فہرست نہین کہہ سکتے، اس تذکرے مین آتش اور اسیر کا ذکر بھی نہین آیا ہے، تو کیا مولانا محمد حسین آزاد کی طرح یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ بھی مصحفی کے شاگرد نہین تھے؛

مولانا آزاد نے مصحفی کی غزل فروشی کی جو زبانی روایت نقل کی ہے، وہ بہت زیادہ تحقیق طلب ہے، تمام تذکرہ نویس جن مین میر حسن مرزا علی لطف اور قدرت اون کے معاصرین مین ہین، اس سے خاموش ہین مولانا آزاد نے غالباً آب حیات کے لکھتے وقت صرف گلشن بیخار کو پیش نظر رکھا ہے، مگر اوس مین بھی اس کا ذکر نہین مصحفی نے اس تذکرے مین اپنے اکثر جزئی حالات ضمناً لکھدیئے ہین، اور سادگی کی وجہ سے غالباً کوئی پردہ نہین رکھا ہے، ایک موقع پر ایک قدردان کی نسبت لکھا ہے،

وتذکرہ راکہ تیار شدہ بخریداری تمام بردہ،

لیکن غزل فروشی کی نسبت اس مین کوئی اشارہ بھی نہین مل سکتا، وہ اپنے اشعار مین بھی اپنی غربت وفلاکت کا تذکرہ کرتے ہین، مثلاً

ہون شیخ مصحفی کا مین حیران شاعری | اللہ مفلسی مین یہ کچھ شان شاعری

تنگدستی مین یہ نہین معلوم | خرچ اپنا کہان سے اوٹھتا ہے

لیکن اِن اشعار سے بھی یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ فاقہ مستی مین اپنے جگر پارون کو بھون کر کھا جاتے تھے لیکن
کہ اضطراراً کسی موقع پر اونھون نے بالمعاوضہ کچھ غزلین کہدی ہون لیکن مولانا آزاد کا یہ بیان کہ وہ غزل
فروشی کی دوکان لگا کر بیٹھتے تھے، جو چاہتا تھا ۸ ٹکے لیکر عہ رنگ غزلین خرید لے جاتا تھا، یقیناً مبالغہ انگیز ہی،

مولانا آزاد نے انشار کے جو حالات لکھے ہین، اس تذکرہ کے پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہی کہ وہ بھی ادھورے
اور ناکمل ہین، مثلاً اونھون نے انشار اور شعراے دہلی کی معرکہ آرائیون کی داستان اس طرح شروع کی ہی،

غرض رشک بھی تلامیذ رحمانی کا خاصہ ہی، یا تو غریب الوطن نوجوان کو بے رفیق و بے یار سمجھکر
کہن سال مشاقون نے کچھ تعریفین کین یا یہ کہ مشاعرہ مین اس بلند نظر کے حسب دلخواہ اوس کے کلام کی
عزت نہ ہوئی، بہرحال سید انشا کو شبہہ ہوا کہ میری مخالفت پر سب دلی والے موافق ہوگئے، ××
خدا جانے طرفین نے زبان سے کیا کچھ کہا ہوگا، مگر غزلون کے مقطع مین فخریہ چشمکیں ہونے لگیں ساتھ ہی
نکتہ چینی کی عینکیں لگ گئین، ان مین مرزا عظیم بیگ تھے کہ سودا کے دعواے شاگردی اور پرانی مشق کے
گھمنڈ نے اونکا دماغ بہت بلند کر دیا تھا، وہ نہ کا شد بد کا علم رکھتے تھے مگر اپنے تئین ہندوستان کا صائب
کہتے تھے، اور خصوصاً اِن معرکون مین سب سے بڑھ کر قدم مارتے تھے، چنانچہ ایک دن وہ میر ماشاء اللہ خان
کے پاس آئے اور غزل سنائی کہ بحر رجز مین تھی، مگر ناواقفیت سے کچھ شعر رمل مین بھی جا پڑے تھے،
سید انشار بھی موجود تھے تاڑ گئے، حد سے زیادہ تعریف کی اور اصرار سے کہا کہ مرزا صاحب اسے آپ
مشاعرہ مین ضرور پڑھیں، وہی کمال کہ مغز سخن سے بے خبر تھا اوس نے مشاعرہ عام مین غزل پڑھ دی
سید انشار نے وہین تقطیع کی فرمایش کی، اوس غریب پر جو گذری سو گذری مگر سید انشا نے اِسکے
ساتھ سب کو لے ڈالا، اور کوئی دم نہ مار سکا بلکہ ایک مخمس بھی پڑھا،

اگرچہ مرزا عظیم بیگ نے بھی گھر جا کر اسی مخمس کی طرح مین اپنی بساط کے بموجب دل کا بخار
نکالا مگر وہ مشت بعد از جنگ تھی ✗ اب سید انشار کے طائر فخر کی بلند پروازی اور زیادہ ہوئی،

ہر غزل مین مضامین فخریہ کا جوش ہونے لگا یہان تک کہ میرا اور اون لوگون کا کلام ایسا ہے جیسے
کلام الٰہی اور مسیلمہ کذاب کا الفیل ما الفیل،

مولانا آزاد نے اس لے کو اور بڑھایا ہی، اور بادشاہ کو بھی اس قصہ مین شریک کر لیا ہی، لیکن کسی قدیم تذکرے مین یہ
تفصیل نہین ملتی، صرف نواب مصطفےٰ خان شیفتہ نے گلشن بیخار تذکرہ عظیم بیگ مین اس قدر لکھا ہی،

در جواب اعتراض انشار اللہ خان کہ در مشاعرہ مرزا مینڈھو خلف نواب شجاع الدولہ مرحوم لعلت
انتقال از بحر ہزج بہ بحر رمل نظر رفتہ تمام بادے معارض شدہ بود مخمسے موزون نمودہ بود،

البتہ مصحفی نے اس قصے کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہی، اور اوس سے معلوم ہوتا ہی کہ مولانا آزاد نے اِس داستان کی اصلی
کڑیان نظر انداز کر دی ہین، وہ انشار اللہ خان کے حال مین لکھتے ہین،

حسب اتفاق میر موصوف (انشا) در مشاعرہ شاہ جہان آباد غزل عربی کہ مطلعش اینست ×
و غزل ہندی بر ردیف "ناز پانچون" "نیاز پانچون" خواندہ فروغ تمام یافت شعراے دلی مثل میان
نثار اللہ فراق و میر قدرت اللہ قاسم و ہدایت خان و میر محمد جواد و ہادی و مرزا عظیم بیگ عظیم کہ
خود را صائب ریختہ میشمرد حسد در کارش بردہ در مشاعرہا در جواب ایشان غزل عربی و مخمسہ آن
درست کردہ آوردند و در جواب غزل ہندی کہ "نیاز پانچون" بود "نیاز ساتون" قرار دادند،
جاسوسان خبر رسانیدند کہ صورت حال اینست مشار الیہ ازین ماجرا مطلع شدہ در جواب "ساتون"
غزل "آٹھون" کہ مطلعش اینست × نگاشت و در جواب مخمسہ غزل عربی برین قطعہ اکتفا کردہ،

حاسد سے میرے یہ کہو گر تو غزل عربی کہے — خورشید سے کب ہمسری کی کرمک شب تاب نے
امواجِ قلزم سے بھلا کب ہو سکے ہے سامنے — کچھ جوش گر گاہے کیا برسات کے تالاب نے
صادق بلاشبہہ ہے یان وہ مثل جس طرح سے — الحاقہ پر رشک آکر کہا مسیلم کذاب نے
الفیل، ما الفیل، و ما ادراک ما الفیل کیا — سنتے ہی جس کو ہنس دیا ہر ایک شیخ و شاب نے

بمجرد استماع این قطعہ مجلس برہم خورد و بہ حدے چہ چہ دپہ پہ شد کہ گویا شور قیامت برخاست،

شعراء کے حالات کے علاوہ اِس کتاب مین فن شعر کے متعلق اور بھی متعدد تاریخی اور ادبی نکتے ہین جن سے ہم نے شعر الہند مین کام لیا ہی، اور اس لحاظ سے اگر تذکرہ میر اور تذکرہ میر حسن کے ساتھ یہ تذکرہ بھی شائع ہوجائے تو اُردو زبان مین ایک اور مستند تذکرہ کا اضافہ ہوسکتا ہے، کیا ہم انجمن ترقی اُردو سے اِس کی اُمید کرسکتے ہین ؟

تصحیح

گذشتہ جولائی کے پرچہ مین زیر ادبیات مرزا عزیز کی غزل کے دسوین اور اٹھارھوین شعر مین "مجازی" کے بجائے "حجازی" چھپ گیا ہی، ناظرین تصحیح کرلین،

سیرۃ النبی حصۂ دوم

طبع دوم

۲۰×۲۶ چھوٹی تقطیع پر سیرۃ حصۂ دوم دوبارہ چھپ کر تیار ہے، قیمت باختلاف کاغذ صہ، للعہ

علم الکلام

مولانا شبلی مرحوم کی وہ مشہور تصنیف جس مین علم الکلام کی تاریخ اور اوس کے عہد بعہد کی ترقیان اور تدریجی رفتار، اور ہر دور کے اکابر متکلمین کے مسائل و مجتہدات پر تبصرہ ہے، مدت ہوئی کہ ناپید ہوگئی تھی، اب مطبع معارف نے نہایت عمدہ کاغذ پر اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے، قیمت عہ

"منیجر"

خلافت اسلامیہ کا دورِ جدید اور اُس کا آیندہ نظام عمل

از

جناب ڈپٹی سید مقبول احمد صاحب بی لے الہ آبادی پنشنر عراق

ہمارے دوست مولوی سید مقبول احمد صاحب ان لوگون مین ہین جو انگریزی تعلیم اور سرکاری تعلقات کے باوجود مسلمانون کا درد اور موجودہ سیاست اسلامیہ مین ذوق رکھتے ہین اور اسی کا اثر تھا کہ انھون نے ایک خاص موقع کو مغتنم سمجھکر مملکت عراق کا سفر کیا اور اس مظلوم ملک اور مظلوم قوم کے جذبات و حالات کا بچشم خود معاینہ کیا اور واپس آکر وہ گردوپیش کے خطرات اور لومۃ لائم کا خیال کیے بغیر جو کچھ ان کے نزدیک حق تھا اس کو برملا آشکارا کیا، دلگداز مین اپنا مختصر سیاحت نامۂ عراق چھپوایا، جس مین متعدد واقعات ایسے لکھے جنکو ایک دنیادی طمع و عزت کا خواہان لکھنا گوارا نہ کرتا،

اس سفر کے باعث اُن کو موجودہ دنیائے اسلام اور خصوصاً عربون کے خیالات و حالات کے جاننے کا کسیقدر موقع ملا، اور جس کا نتیجہ انکی تصنیف "مستقبل عرب" ہے، گو ہم کو ان کے خیالات و معلومات سے کامل موافقت نہین، تاہم ان کے افکار کو غور و مطالعہ کے لائق سمجھتے ہین، آج وہ ہماری علمی بزم مین، ایک ایسا ہدیہ لے کر آتے ہین، جسکو علم مذہب اور سیاست تینون جہتون سے تعلق ہے،

"خلافت اسلامیہ کے دورِ جدید اور اس کے آیندہ نظام عمل" کا جو خاکہ اونھون نے کھینچا ہے

و متعدد حیثیتون سے نہایت دلکش ہے، البتہ اس نقشہ کشی کے لیے جو زمین انہون نے تمہیدی خیالات کی اُنھون نے تیار کی ہے، وہ بہت کچھ محتاجِ تنقید ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دوست بلنٹ صاحب سے بہت عقیدت رکھتے ہین، اور وہی اُن کے خیالات کے ذرائع معلومات ہین، حالانکہ موجودہ فتنہ کے بانی وہی ہین اور اسلام مین عرب و ترک اور قومیت و جنسیت کی لعنت انھین نے پیدا کی ہے، یہ عربون کے دوست مشہور ہوئے، اور اس موجودہ انقلاب کے سخت آرزومند تھے، بالآخر اس انقلاب کو اپنی آنکھون سے دیکھکر وہ اس دنیا سے سدھارے، لیکن نہ تو انکی زبان سے دردمندی کا ایک کلمہ نکلا، اور نہ اپنے عرب دوست قوم کی بربادی پر ان کے آنکھون سے آنسو کا ایک قطرہ بہا، اور نہ اپنے ہموطنون کو اونکی غلط کاریون پر انھون نے زجر و توبیخ کی تاہم بعض مسلمان اُن کو اپنا دوست، اور عرب اپنا مربی جانتے ہین،

قاصد رقیب بودہ، و من غافل از فریب
بیدرد، مدعائے خود اندر میانہ ساخت

معارف کے تحریری کرمفرماؤن مین جن کے مضامین معارف مین شایع ہو رہے ہین، حسن اتفاق سے ہمارے دوست مولوی سید مقبول احمد صاحب الہ آبادی کے ہمنام ہم نسب اور ہموطن ہین، جنکا مضمون مئی کے معارف مین جامع الاخلاق شایع ہو چکا ہے، ان دونون نامون مین ناظرین معارف کو تشابہ ہوگا، اس لیے جب ذاتی اوصاف مین یہ اشتراک نام ہے تو لامحالہ عارضی اوصاف سے امتیاز کرنا ہوگا، اسی سبب سے "خلافت جدید" کے مصنف کے ساتھ، ڈپٹی، بی اے، سیاح عراق کے اوصاف ضم کیے گئے ہین، ہمارے دوسرے دوست سررشتہ دار اور ایم ار اے ایس ہین،

ہمارے موجودہ عصر نے عالم اسلام مین جو ہیجان اور انقلابات پیدا کیے ہین، ان مین غالباً سب سے زیادہ قابلِ توجہ اور مؤثر وہ انقلاب ہے جو ملّت ترکیہ کے جمہوری حکومت کے انعقاد کے ساتھ قدیم خلافتِ اسلامی کے تبدیلی سے ظہور مین آیا ہے، مذہبی اسلامی نقطۂ نظر سے تو یہ ایک بدعت ہے، مگر یہ صورت اُسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک ہم خلافت کو مذہبی نظر سے دیکھین، لیکن اگر ہم خلافت کے وہی معنی لین جو قرآن سے ثابت ہے تو خلافت کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ وہی آسمانی بادشاہت ہے جسکی بشارت مسیح نے انجیل مین دی تھی اور دانیال نبی نے جسکی تعبیر بادشاہِ بابل کے اس خواب پر بیان کی تھی کہ جب بادشاہ نے عالمِ رویا مین ایک قوی ہیکل بت کو دیکھا جس کا سر سونے کا تھا، سینہ چاندی کا، پیر لوہے کا، اور سب سے اسفل حصّہ مخلوط مٹی کا کہ یکایک ایک غیبی ہاتھ سے ایک پتھر نمودار ہوا، اور اس نے اس بُت کے پیر پر اس پتھر کو مارا یہان تک کہ سارے بت کو چور چور کر ڈالا اور پھر وہ پتھر ایسا بڑھا کہ ساری دنیا کو گھیر لیا، سونے کے سر سے مراد بابل کی حکومت تھی، چاندی کے سینہ سے مراد سلطنت عجم، پائے آہن سے مراد سکندر کی سلطنت اور اس کے بعد مخلوط مٹی سے سلطنتِ روما، اور یہ پتھر عرب کا پتھر تھا جس نے روما کے ساتھ ان قدیم سلطنتون کے سارے نشانات کو غبار بنا کر ہوا مین اڑا دیا، اور پھر یہی پتھر ساری دنیا پر حاوی ہوگیا، انجیل اور نوشتۂ بنی اسرائیل کے بعد داؤد نے اپنی زبور مین اسی خلافت اسلامیہ کا [illegible] جگہ حوالہ دیا ہے، ایک وہ جس مین داؤد کا کلام یہ ہے کہ "وہ پتھر جسکو معمارون نے رد کیا بالآخر کونے کا سرا ہوا"۔ اور اس پتھر سے داؤد کی مراد وہی دانیال والے پتھر سے تھی، اور اسی پتھر کو مسیح نے اپنی ایک تمثیل مین بیان کیا ہے "جبکہ دغاباز باغبانون سے مالکِ باغ باغ کو لیکر ایسی قوم کو دیگا جس کے وہ اہل ہونگے"، اور جب لوگون نے مسیح کے اس حق گفتاری مین اعتراض کیا تو انہون نے داؤد کے مشہور اوپر والے جملے کا حوالہ دیا،

بخاری اور مسلم مین ابوہریرہ کی ایک روایت بالکل اسی کے مطابق اور متعلق یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم

نے فرمایا کہ میری مثال اس سرے کے پتھر کی سی ہے، جس کے بغیر ایک مکان کی عمارت نامکمل تھی۔

دوسری بشارت حضرت داؤد کی زبور مین یہ ہے کہ "خدا کے نیک بندے زمین کے وارث ہونگے"، اور بالکل انھین لفظون کا حوالہ قرآن شریف مین ہے، دانیال، زبور اور انجیل کے بعد خلافت اسلامیہ کی پوری بشارت قرآن شریف کے سورۂ نور کی آیتِ استخلاف مین یون موجود ہے، "وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفسقون"، اللہ کا وعدہ ہے کہ تم لوگون مین سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کو ملک کی خلافت ضرور عنایت کریگا جیسا ان لوگون کو خلافت عنایت کی تھی جو ان سے پہلے ہو گذرے ہین اور جس دین کو اس نے ان کے لیے پسند کیا اس کو ان کے لیے مضبوط کریگا اور انکو جو خوف ہے اس کو وہ امن مین بدل دیگا کہ ہماری عبادت کیا کرین اور کسی چیز کو ہمارا شریک نہ گردانین، اور جو شخص اس کے بعد ناشکری کریگا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہین"۔

پس اسلام کے لیے دنیاوی بادشاہت ایک وعدۂ حتمی ہے جس کی شاہد قرآن کے علاوہ انجیل زبور و دانیال بھی ہے، اور اسی اسلامی بادشاہت کا نام خلافت ہے، اور بادشاہت کا نام خلافت قرآن شریف کی اوپر والی آیت سے لیا گیا ہے، یعنی مسلمان حکمرانی مین ان اگلی قومون کی جانشینی کرینگے جنکو اس سے پہلے حکومت دی گئی تھی، ایک دوسری جگہ قرآن شریف مین انسان کو زمین پر خدا کا خلیفہ بتایا گیا ہے، اور خدا کا خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو دنیا مین خدا کی طرف سے انکی دوسری مخلوق مین نظم و نسق کرے یا دوسرے معنی مین سلطنت کرے، تیسرے اسلام مین بادشاہت کو خلافت اس لیے بھی کہتے ہین کہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہی سے خدا نے اسلامی سلطنت کو

شروع کر دیا تھا، یعنی آپ پیغمبر بھی تھے اور امیرِ عرب بھی، اور آپکے بعد عرب کی امارت کی جانشینی کا نام خلافت پڑ گیا، بہرحال خلافتِ اسلامی ایک مادی چیز ہے، نہ مذہبی اور "روحانی" اسلام نے کبھی سوائے پیغمبرون کے دوسرے انسان کو اپنے ابنائے جنس کی ارواح کا بادشاہ نہین بنایا ہے، خلافت مین "روحانیت" کا اطلاق اسلام کے لیے عجیب و نئی چیز ہے[1] مسلمانون مین کبھی روحانی بادشاہ مسیحیون اور بودھون کی طرح نہین ہوا کرتا، خلیفۂ اسلام محض ایک دنیاوی بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے، جو گناہ کرسکتا ہے اور اس کے پاداش مین قتل اور معزول کیا جا سکتا ہے، اور کوئی شخص اُس کو محافظِ "شریعت و قوانین سے زیادہ ماننے پر مکلف نہین، وہ مذہبی شرائع کو تبدیل کرنے کا حق بھی نہین رکھتا اور نہ اس کے خلاف فیصلہ دینے کا، یعنی مختصر یہ کہ وہ مقدس و معصوم نہین ہے،

مگر مسلمانون مین مذہبی شرائع اور دنیاوی قوانین مین کوئی امتیاز نہین رکھا گیا۔ درحقیقت مسلمانون مین مذہبی شرائع کا نام دنیاوی قانون ہے، اسلامی شریعت دو بڑے جز مین تقسیم ہے، معاملات اور عبادات، اور دونون کا پلہ شریعت مین برابر ہے، معاملات کے ترک کرنے سے بھی ویسی ہی فساد دین کا ہے جیسے عبادات کا اور علی ہذا القیاس عبادات کے ترک کرنے سے ویسے ہی فساد دنیا کا ہے جیسے معاملات کا، پس اسلامی سلطنت ایک قسم کی "تھیوکریسی" ہے، یعنی اگرچہ اس تھیوکریسی مین تمام قوانین کا سرچشمہ الہام آسمانی ہے مگر اس کا حامل و نگہبان خدا کی طرف سے مبعوث نہین کیا جاتا، تو ابتدائے اسلام مین خلیفۂ اسلام مسلمانون کے تمام قوانین (دینی و دنیوی) کا محافظ اور اس پر عمل کرانیوالا ہوتا تھا، یہ صورت خلفائے راشدین کے وقت مین بدرجہ اتم رہی۔ اس کے بعد جبارین

[1] معارف: اگر مقصود عیسائیون کی طرح روحانی یعنی معصوم، مامور من اللہ، اور شارع ہے تو صحیح ہے کہ اسلام کا خلیفہ ایسا روحانی نہین، اور اگر مقصود اسلامی روحانیت ہے تو صحیح نہین، اسلام مین خلیفہ واجب الطاعۃ ہے، الایہ کہ اس کے احکام خلاف شرع ہون، اُسکو مذہبی اور اسوۂ کامل ہونا چاہیے وہ نماز ذکی جمعہ و جماعت کا جہاد و غزا کا امام ہے زکاۃ کا تون کا محصل مسلمانون کا دینی و دنیوی پیشوا ہے

بنی امیہ و بنی عباس نے اس کو ایک صورت سے قائم رکھا، مگر زوالِ سلطنتِ عرب سے اسلام خلافت کی دنیاوی وسعت سے بہت دور نکل گیا، ایک زمانہ ایسا آیا کہ خلیفہ صرف بغداد کا بادشاہ رہگیا، اور باقی تمام اجزا مختلف سلطنتون مین بکھر گئے، اور ایک ہی وقت مین اسلام مین کئی خلیفہ کا دور ہوا، پھر اس سے بھی زیادہ یہ ہوا کہ اسلام ان قومون مین پھیلا جن پر کوئی اسلامی خلیفہ بھی نہ تھا اور یہ نئی صورتین جب مسلمانون کو پیش آئین تو انھون نے زمانہ کے لحاظ سے ان باتون پر عمل کیا جس سے مسلمانون کا عام مفاد مقصود تھا، اور خلافت مین نئی تبدیلیان کوئی بدعت نہ کہلائین، یہان تک کہ اس مرکزی خلیفہ کا نام و نشان بھی مٹ گیا، بلکہ خلافت اس قوم سے بھی جاتی رہی جس کے لیے قرآن شریف مین وعدہ[1] تھا، اور جس کے لیے حدیث تھی کہ اسلام پر حکمرانی صرف قریش کا حق ہے، مغول کا زمانہ آیا۔ اور اس دور ہرج مرج مین اسلامی ممالک پر کفر کی حکومت ہوئی، قانون بدلے گئے، شریعت کا ایک جز یعنی معاملات برطرف کیا گیا، اور اب مسلمانون کی وہ صورت پیدا ہوئی کہ وہ پانچ ارکان دین پر عامل ہونے لگے، مغول اور ترک کی اسلامی سلطنت مین پھر مسلمانون کی شریعت مکمل کی گئی۔ اور معاملات کے ساتھ عبادات ملائی گئی، یہ سلاطینِ عجم بہرحال جہان بھی سلطنت کرتے رہے ہون، وہ اپنے اس حصۂ ملک کے لیے خلیفۂ اسلام تھے، ہندوستان مین مغل مسلمانانِ ہند کے لیے بمنزلۂ خلیفۂ اسلام تھے، مصر مین مملوک، ایران مین صفوی اور اسپین، بربر و عرب مین طوائف الملوک اپنے اپنے ملک کے خلیفہ تھے، اور انھین سے ہر ایک سوائے خدا کے کسی دوسرے بڑے خلیفہ کی محکومیت پر مجبور نہ تھا[2]، یہی حال سلاطینِ عثمانیہ کا تھا، وہ شام و مصر کی فتح سے پہلے بھی اپنے ملک کے خلیفہ تھے۔ اور جب انھون نے عرب کو مسخر کیا تو وہ عربون کے خلیفہ بھی ہو گئے، سلطان سلیم خواہ وہ تبرکات نبوی کو برائے نام عباسی خلیفہ

[1] معارف: قرآن مین قریش سے خلافت کا وعدہ نہین بلکہ عام مومنون سے ہے، [2] معارف: یہ صحیح نہین، دیکھیے مضامین "خلافت اور ہندوستان"، "خلافت اور دنیائے اسلام" "خلافت اسلامیہ اور ردِ شبہات" یہ سب مضامین معارف مین شایع ہو گئے ہین

مصر سے حاصل کرتے یا نہ کرتے وہ عرب کے خلیفہ ہو چکے تھے چونکہ عرب کی خلافت خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی تھی، اس خیال سے اس خلافت پر فیض یاب ہونے کے ساتھ سلطان نے تبرکاتِ نبوۃ کو قبضہ مین لانا خلافت کی تکمیل جانی۔

سلطان عبد الحمید کے زمانے تک خلافتِ ترکیہ کا مرادف سلطنتِ عثمانیہ تھا، مگر اس بیدار مغز سلطان نے خلافت کو سب سے پہلے اتحادِ اسلام کا آلہ بنانا چاہا، یعنی خلافت کو وہ صورت دینی چاہی جو ایک حد تک پوپ سے[1] مشابہت رکھے یعنی خلیفۂ عثمانی صرف حدودِ دولتِ عثمانیہ کے اسلامی قوانین کا محافظ نہ کہلائے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانون کے مذہبی معاملات کا سردار ہو، یہ ضرورت اصل مین ترکی سلطنت کے استحکام کے لیے پیش آئی، مگر مجبوری یہ تھی کہ وہ سلاطین جن کے ماتحت مسلمان آباد تھے وہ کبھی ایسی صورت گوارا کرنے پر رضامند نہ تھے، جس کے باعث ترکی سیاست کو ایسی تقویت حاصل ہو سکے، مگر سلطان کے پین اسلامک پروپگنڈا کا نتیجہ اتنا ضرور ہوا کہ مصر و ہندوستان مین مسلمانون کی بیداری کے ساتھ ان کو ترکی سلطنت کے ساتھ ایک ایسے شیفتگی و وارفتگی ہو گئی کہ جب کبھی ترکی سلطنت کو کوئی فتح یا شکست مخالفین کے مقابلے مین ہوتی تو خصوصاً مسلمانانِ ہند مین ایسا جوش پیدا ہوتا گویا خود انکی فتح یا شکست تھی[2]

سلطان عبد الحمید کے زمانے مین ایک بزرگ سید جمال الدین افغانی ترکی مین وارد ہوئے جنھون نے اتحادِ اسلامی کے خیال کو اور تقویت دی؛ مگر ترکی سلطنت عبد الحمید کے زمانے مین روز بروز انکی غفلت سے کمزور ہوتی گئی اور جس کمزوری کو انھون نے اس نئے اتحاد اسلامی سے تقویت دینا چاہا وہ راس نہ آئی، ان کی غفلت اور قدامت پرستی نے ترکی کی اندرونی حالت کو اسقدر

[1] معارف: یہ خیال قطعاً صحیح نہین مسٹر بلنٹ کی "تحقیقاتِ بمبئی" سے باہر اگر کوئی چیز ہمارے دوست کو معلوم ہو تو ضرور مطلع کرین

[2] معارف: یہ خیالات صرف مسٹر بلنٹ کی صدائے بازگشت ہین،

خراب کر رکھا تھا کہ اگر روس و انگلستان و فرانس سلطان کے اس دھوکے مین نہ ہوتے یعنی عام خلافت اسلامی
اور جہاد عمومی کی حقیقت کو جانتے ہوتے تو ترکی کے بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہ رہتی اور وہ کبھی کو اس کا
تجربہ کر چکے تھے کہ یکایک سلطان کے آخری زمانے مین نوجوانانِ ترک نے سلطان کی استبدادی
حکومت سے انحراف کیا اور ان کو معزول کر کے ایک ترقی کن اور متحد سلطنتِ ترکیہ کی بنیاد ڈالی،
انھون نے سلطان کے خیالی آلۂ حرب عام اتحادِ اسلامی اور خلیفۂ اسلام کی واحد قوت" کی پرواہ نہ کر کے
اپنے ملک کے لئے ترقی و تمدن کے سامان پیدا کیے اور خلافت عمومی کو بالفعل سلطان کے ساتھ رخصت
کر دیا[1]، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ برس مین ہر چہار طرف سے اُن کے دشمن اُن پر ٹوٹ پڑے اور ہر ایک
دشمن کے مقابلے مین وہ بہت کچھ ملکی قربانیان کر کے واپس ہوئے، اس کے بعد یورپ کی وہ خوفناک
جنگ کی آگ شروع ہوئی جس نے اپنے شعلہ مین ترکی کو بھی لپیٹ لیا، جب وہ آگ بجھی تو خاکستر
ترکی سے ایک نیا ترکی اٹھا، اس ترکی مین تمام پرانی روائتین سوخت ہو چکی تھین۔ نہ اس ترکی مین
عثمانی قوم کے علاوہ کوئی اور قوم شامل تھی، اور نہ اس پر ایک پرانی قسم کا خلیفہ یا سلطان حکمران تھا،
اس جدید ترکی کے ثبات کے لیے مسلمانانِ ہندوستان سے ایک نئی اور عجیب حرکت ظہور مین آئی
انھون نے سلطنتِ ترکیہ کی حفاظت کو اپنا دین و ایمان جانا اور اس شدت کے ساتھ اس کے لیے
جد و جہد کی کہ غیر قوم والے تو خیر خود مسلمانون کو شبہ ہو گیا کہ واقعی خلافت ایک جزوِ ایمان ہے
یا کیا[2]۔ خلافت کی عجیب عجیب صورتین بتائی گئین، کہین رسول اللہ کی وصیت جزیرۃ العرب کو اس پر
چسپان کیا گیا[3] حالانکہ ان بھولے بھالے مسلمانون کو اس کا مطلق علم نہ تھا کہ جس جزیرۃ العرب پر وہ

[1] معارف: یہ خیال حقیقت سے دور اور بے سند ہے۔ [2] معارف: کیا آپ کو حدیث من مات ولیس فی
عنقہ بیعتہ مات میتۃ جاھلیۃ نہین معلوم، کیا آپ کو عقاید کا یہ باب یاد نہین کہ نصب الامامۃ واجب علی الامۃ،
[3] معارف: یہ واقعات سے بیخبرانہ استدلال ہے جزیرۃ العرب سے غیر اسلامی اقتدار کو مٹانے کے لیے کوشش ہو نہ کہ اس کو حدود ترکی مین داخل کرنے کے لیے

شور و شغب کر رہے ہین وہ جدید ترکی کے پروگرام مین شامل ہی نہین۔ اور یہ کہ خود عرب ایک مدت
سے اپنی قومی حکومت کے لیے ترکی اور خصوصاً نوجوان ترکون کی ترکی کے خلاف تھے[1]۔ انھون نے
اس کی پرواہ نہ کی کہ خود عرب مین اور ترکی مین خلافت کا کیا خیال ہے، جوشِ جنون مین اپنے سے
اختلاف رکھنے والے کو ڈرایا۔ دھمکایا کافر بنایا، کہین مارا، کہین توڑا، کہین علانیہ تلوارے کر کھڑے
ہوئے[2]، کہین ہندوؤن کے سوراج مین کود ے، بہر حال اس حرکتِ اضطراری کا نتیجہ اگر کچھ نہ ہوا
لیکن سلطنتِ برطانیہ اس قدر تو مرعوب ہو گئی کہ جب مصطفےٰ کمال بانیِ ترکی جدید نے تلوار میان سے
نکالی اور یونانیون کو بہ یک جنبش دو گوش خاکِ عثمانی سے نکال باہر کیا تو برطانیہ ترکون کی صلح
مین پھر رخنہ انداز نہ ہوئی[3]،

مگر مصطفےٰ کمال ایک نہایت مدبر ترک ہے، اس نے دیکھا کہ ترکی از بسکہ بجز اپنے پیر پر کھڑے
ہوئے دنیا مین قائم نہین رہ سکتی اور اس کو اقوامِ عالم مین باعزت جگہ لینے کے لیے وہ تمام صورتین
اختیار کرنی چاہئین جو دوسری متمدن قومون نے اختیار کی ہین مگر کیا عجب کہ اسکی اور دوسری
اسلامی سلطنتون کی تقویت کے لیے ایک ایسی صورت بھی پیدا ہو جائے جس سے مسلمان پہلے سے
ناآشنا نہین ہین، یعنی عالمِ اسلام کو سیاستِ دنیادی سے بے تعلق ایک نظام مین منسلک کرنا،
جو آخر مین ایک ایسا حربہ ثابت ہو جو نصاریٰ اور دشمنانِ اسلام کے تمام مکائد کا سدِ باب ہو گا
موجودہ عالمِ اسلام کی صورت یہ ہے کہ اس مین دنیا کے ایک خمس انسان شامل ہین پس اگر یہ
ایک خمس انسان ایک مضبوط حبل اللہ مین بندھ جائین تو پھر کوئی اسلام یا اسلامی سلطنت کو نقصان
پہنچانے کا خیال بھی دل مین نہین لا سکتا۔ مسلمانانِ عالم کا شمار یہ ہے،

[1] معارف: ان کو کس نے مخالف بنایا؟ [2] معارف: جوشِ مخالفت مین دشمن پر بے بنیاد الزامات قائم کرنا آئین اخلاق نہین
[3] معارف: کیا اس واقعہ کی روزانہ اخباری واقعات سے تائید ہوتی ہے،

۱- اقوام ترک [illegible] ملیون

۱- عثمانی۔ ۱۰ ملیون

۲- اہل آذربائجان۔ ۳ ملیون

۳- اہل قفقاس۔ ۵ ملیون

۴- ترکمان (یعنی آبائے خوارزم) ۱ ملیون

۵- تاجیک (یعنی آبائے باختر) افغان ترکستان ۱ ملیون

۶- اوزبک و سرت (یعنی آبائے ماوراءالنہر) ۶ ملیون

۷- ترکان ختن یارقند۔ ۴ ملیون

۸- تاتار روس و قریم۔ ۱۰ ملیون

۲- اقوام عرب ۴۸ ملیون

۱- عراقی ۳ ملیون

۲- شامی۔ ۵ ملیون

۳- حجازی۔ ۱ ملیون

۴- یمنی۔ ۳ ملیون

۵- حضرمی۔ ۱ ملیون

۶- عمانی۔ ۲ ملیون

۷- نجدی۔ ۴ ملیون

۸- مصری۔ ۱۲ ملیون

۹- طرابلس الغربی۔ ۱ ملیون

۱۰- طونسے ۲ ملیون

۱۱- الجزائری ۵ ملیون

۱۲- مراکشی ۸ ملیون

۱۳- صحرا۔ ۱ ملیون

۳ اقوام عجم ۲۶ ملیون

۱ ایرانی۔ ۱۵ ملیون

۲- افغانی ۱۰ ملیون

۳- بلوچ۔ ۱ ملیون

۴- اقوام ہند، ۶۹ ملیون

۱ کشمیری، ۲ ملیون

۲ سندھی، ۲ ملیون

۳ پنجابی، ۱۲ ملیون

۴ اہل اودھ و آگرہ، ۶ ملیون

۵ بہاری ۴ ملیون

۶- بنگالی، ۲۸ ملیون

۷- آسامی، ۳ ملیون

۸- مدراسی، ۳ ملیون

۹ بقیہ ہندوستان، ۲۸ ملیون

لہ معارف: ایک ملیون یا ملین دس لاکھ کے برابر ہے

۵- اقوام چین۔ ۵۰ ملیون

مختلف اندازہ کیا گیا ہے۔ کانسو و شتی یعنی تمامی چین مین ان کی تعداد ۵ فیصدی ہے جنوبی چین مین ۳۰ فیصدی، مغربی و وسطی چین مین ۱۵ سے ۲۵ فیصدی، مشرقی چین ۲ فیصدی، ۳۰ ملیون سے ۰ ملیون تک اندازہ ہے لہذا اوسط ۵۰ ملیون لکھی گئی ہے

۶- اقوام ملایا۔ ۴۰ ملیون

۱- سماترا۔ ۳ ملیون

۲- جاوا۔ ۳۰ ملیون

۳- بورنیو۔ ۱ ملیون

۴- سلیبز و ملکس، ۵ ملیون

۵- فلسیامن و پاپوا، ۱ ملیون

۷- اقوام آفریقہ، ۸۰ ملیون

۱- حبش، ۳ ملیون

۲- مشرقی سوڈان۔ ۵ ملیون

۳- مغربی سوڈان، ۴۲ ملیون

۴- نائجیریا، ۳۰ ملیون

۵، زنجبار و جنوبی آفریقہ مین ۲ ملیون

۸- اقوام فرنگ و امریکا ۸ ملیون

۱- اسلاو، بلقان و روس ۵ ملیون

۲- ارناؤط ۱ ملیون

۳- یونانی، ۱ ملیون

۴- بقیہ اقوام یورپ و امریکہ ۱ ملیون

مجموعہ۔ ۳۶۳ ملیون

مختلف ممالک غیر شمار کردہ مثل سیلون، سیام اسلام، جاپان، سبد کاسکر ترنی ڈاڈ فار موسا وغیرہ، ۲ ملیون

کل۔ ۳۶۵ ملیون

پس یہ ۳۶۵ ملیون مسلمان اگر ایک مرکز سے متحد ہو جاتے تو دنیا مین وہ سب سے بڑی قوت والے ہو جاتے، اب قابلِ غور بات یہ تھی کہ وہ کس طرح ایک مرکز پر لائے جائین۔ اگر وہ کسی اسلامی سلطنت کے بادشاہ کی سرکردگی مین ہوتے تو اس مین یہ خرابی آپڑتی ہے کہ وہ قومین جن کے

ماتحت مسلمان آباد ہین، وہ کبھی ایسی سیاست کا خیال بھی دل مین لائینگے جبکہ غیر ملک کا بادشاہ انکی رعایا کو اپنی رعایا کہے اور ان سے خراج وصول کرے، سلطان عبدالحمید نے جب اتحادِ اسلامی کا پروپگنڈا شروع کیا توان کے دماغ مین کبھی اس کے امکان کی صورت نہ گذری اور وہ نہ سمجھے کہ سلطان ٹرکی کی حیثیت سے ان کے اس حق کو کہ وہ عالمِ اسلامی کے بادشاہ بھی تسلیم کرلیے جائین کوئی مخالف حاکم قوم ماننے کے لیے تیار نہین، یا وہ ٹرکی محض کے بادشاہ ہون، یا بادشاہت کی وہ شان قائم رکھین جس کا سیاست اور خود اپنے ملک کی سیاست سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ نہین ہوسکتا کہ وہ اتحادِ اسلامی کو ٹرکی کی حفاظت کے لیے قبلہ بنائین اور خود اپنے مخالفین کی مسلمان رعایا کو اپنا اور ٹرکی کا محکوم جانین،

عبدالحمید کے دماغ نے یہ ایک غلطی کی تھی اور جہان ان کی اور غلطیان تھین وہان ایک یہ بھی تھی۔ ان کے بعد نوجوان ترکون نے کبھی اس کی طرف اپنی توجہ منعطف نہ کی۔ ان کو فرصت بھی خدا نے اس کیلئے نہ دی، گروہ دور انجمن اتحاد و ترقی کا بھی گذرا اور نیا ترکی دور مصطفائی شروع ہوا۔ اور اس نے آخر کار وہ پرانے طریقۂ خلافت کو یکسر موقوف کیا۔ اور ایک نئی خلافت کا وجود ظہور مین آیا،

مین پہلے بھی کہہ چکا ہون کہ بجز اس کے کہ مسلمانون کو خدا نے پہلے الہامِ ربانی مین سلطنت کی بشارت دی تھی اور وہ پوری ہوئی، خلافت مسلمانون کا کوئی مذہبی مسئلہ نہین[1] ہے، وہ قابل ترمیم و تبدیل بلکہ تنسیخ بھی ہوسکتا ہے[2] اور اس سے اسلام مین کوئی دینی خرابی پیدا نہین ہوتی، نئی خلافت کا وجود کسی عالم کے فتوے یا کسی حدیث و آیت قرآنی کے جواز کی محتاج نہ تھی، دنیا کے معاملات مسلمانون کو انکی اپنی سمجھ پر چھوڑ دیے گیے ہین اور جیسی وہ صورت دیکھین ویسا ہی عمل کرین[3]، پس نئی خلافت

[1] معارف: قطعی غلط ہے، کیا مسلمانون مین سلطنت مذہب نہین۔ [2] معارف: ترمیم و تبدیل تو خیر ممکن ہے، مگر تنسیخ سے کیا مطلب کیا یہ کہ مسلمان بے خلافت زندگی بسر کرسکتے ہین، اگر یہ ہے تو احکام اسلام سے ناواقفیت ہے، اگر تنسیخ سے کچھ اور مقصود ہے تو ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہین۔ [3] معارف: یہ مسئلہ اس قدر عالمگیر آزادی نہین دیتا اس آزادی کو بھی شریعت نے محدود کردیا ہے۔

کا وجود ہر صورت سے نہایت مبارک فال آیندہ ترقی اسلام کے لیے ہے، اور اس مین اسلام کی بہترین خدمت مضمر ہے، اگر یہ اس کے آئندہ نظامِ عمل پر موقوف ہی، مگر یہ نظام عمل کیا ہوگا، ؟

اگر تم غور سے دیکھو تو اسلام کی قوم یا مذہب دنیا مین کسی کا پابند و محکوم نہین ہوسکتا جب تم نے شعائرِ اسلام کو خود چھوڑ دیا، تو تم محکوم ہوگیے، ہمارے مذہبی شرائع اس قدر دنیاداری سے وابستہ ہین کہ اگر ہم صرف اپنے مذہبی شعار پر قائم رہ کر ہر طرف سے اپنی آنکھین بند کرین تو ہم دنیا مین آزادی، ترقی اور عزت کی زندگی بسر کرسکتے ہین[1]،

اس پر چلتے ہوئے ہم اپنے اردگرد کی سلطنت اغیار سے مستغنی ہوجاتے ہین اور ان کا وجود اور نیستی ہمارے لیے کوئی معنی نہین رکھتی اب نظام خلافت پر غور کرو۔ قسطنطنیہ مین آل عثمان سے ایک خلیفہ مقرر کیا جائیگا، جس کو ٹرکی کے اندرونی سیاست سے کوئی سروکار نہ ہوگا، وہ اسلام کا مذہبی حکمران کہلائیگا، یہان پر رومن کیتھلک کے پوپ کی سی روحانیت سے مراد نہ ہوگی۔ بلکہ خلیفۂ اسلام کی یہ مذہبی حکومت مادی ہوگی، اور اس کے تمام ذرائع عمل بھی دنیاوی اسباب پر مبنی ہونگے۔ اس مذہبی حکومت کا نقشہ حسب ذیل صورت سے مرتب ہوگا،

خلیفہ

شیخ الاسلام (دنیا کے ہر اسلامی ممالک مین جہان ۱۰ لاکھ سے زیادہ مسلمان آباد ہون)

امیر شریعت (اسلامی ممالک کے ہر ایسے ٹکڑے پر جہان ایک لاکھ سے زاید مسلمان آباد ہون)

مفتی اعظم | قاضی القضاۃ شرع | امین اوقاف | امین زکوۃ و بیت المال | رئیس محتسبان احتساب | مفتش مدارس اسلام

پس ایک خلیفہ کے ماتحت بہت سے شیخ الاسلام ہونگے جو ہر ایک اسلامی ملک پر مثلاً چین ہندوستان، مصر، عرب، افغانستان، ملایا مین خلیفہ کی طرف سے مقرر کیے جائین گے، ہر ایک شیخ الاسلام

[1] معارف: یہ بالکل سچ ہے لیکن اس کو سچ باور کرنے کے بعد کیا آپ کے اوپر کے فقرے جن مین عمومی دنیاوی آزادی کا اعلان ہے درست ہوسکتے ہین؟

ماتحت ہر ایک صوبے مین ایک امیرِ شریعت ہونگے، اور بعض ملکون مین جہان مسلمانون کی آبادی
اعلیون سے کم ہے۔ امیرِ شریعت براہ راست خلیفہ کے طرف سے مقرر کیے جائینگے۔ امیر شریعت کی ایک مجلس
جمیعتہ العلماء ہوگی، جو انتظامی کیبنٹ کہلائیگی، اور اس کے ممبر چھ ہونگے، مفتی اعظم، قاضی شرع، امینِ اوقاف
امین زکوٰۃ بیت المال، رئیس احتساب اور مفتش مدارس اسلام تیم خانے وغیرہ ہر ایک انتظامی ممبر کے
ساتھ ایک جماعت شوریٰ ہوگی جو عام مسلمانون سے منتخب کیجائیگی۔ اب ان انتظامی کیبنٹ کے فرائض
یہ ہونگے،

اول۔ **مفتی اعظم**، مسلمانون کو مسائل دینی سے آگاہ کرنے والے، مفتی اعظم کے ماتحت ہر ضلع
مین ایک مفتی ہوگا یعنی ہر ایسے ضلع مین جہان مسلمانون کی آبادی دس ہزار سے کم نہ ہو۔ ان کا کام
مسائل دینی پر فتوے دینا۔ اور مسلمانون کو بدعات سے بچانے کا کام سپرد ہوگا۔ ان کے سپرد موذنون
اور اماموں کا تقرر بھی ہوگا،

دوم **قاضی القضاۃ شرع**۔ مرکزی قاضی القضاۃ جو امیر شریعت کے انتظامی کیبنٹ کا ایک
ممبر ہوگا اس کے ماتحت ہر ضلع مین جہان مسلمانون کی آبادی دس ہزار تک ہو ایک قاضی مقرر ہوگا
جو نکاح، نان ونفقہ، طلاق، مہر، وراثت، کے معاملات کو مسلمانون مین فیصلہ کیا کریگا۔ اور جسکی اپیل
مرکزی قاضی القضاۃ شرع کے یہان ہوگی

سوم۔ **امینِ اوقاف**، ان کے سپرد مسلمانون کی تمام اوقاف کا انتظام اور ان مذہبی
شعائر کی مالی امداد ہوگی۔ مسجد کی صفائی اور تعمیر کا کام بھی ان کے سپرد ہوگا،

چہارم۔ **امیرِ زکوۃ وبیت المال**، ظاہر ہے کہ یہ زکوٰۃ مسلمانون کی جمع کرینگے۔ اور اوسکو بہترین
طریقہ سے خرچ کرینگے،

پنجم۔ **رئیسِ احتساب**، ان کا کام مسلمانون کو شراب، جوا وغیرہ گناہون سے منع کرنے، نماز

روزہ وغیرہ کی تلقین وتاکید کرنے مسلمانون کی عام شمار و پیدائش و موت کا رجسٹر رکھنے، مسلمانون کو مزارات
وقبور پر بدعتین کرنے سے روکنے کا ہوگا، ہر ضلع مین ایک محتسب ہوگا اور اس کے ماتحت ۵ یا ۱۰ معاون ہونگے

ششم۔ **مفتش مدارس ویتیم خانے وغیرہ**۔ مسلمانون کے مذہبی مدارس۔ اشاعتِ اسلام
کی انجمنین اور ان کے یتیم خانے وخستہ خانون کی دیکھ بھال اور انتظام کے لیے ایک مفتش امیرِ شریعت
کے انتظامی کابینہ کا ممبر ہوگا جس کو بیت المال سے تنخواہ دیجائیگی،

ان تمام ارکینِ شریعت کا ہیڈ کوارٹر ضلع کی جامع مسجد ہوگی۔ اور ان کے ماتحتون کے لیے بھی
مقامی مسجدین۔ ایسی ہی زکوٰۃ کا بیت المال بھی ہوگا۔ امیرِ شریعت اور شیخ الاسلام کو ایک مجلس مشورے
کے ساتھ کام کرنا ہوگا اور وہ اپنی رپورٹ سالانہ خلیفہ کی خدمت مین پیش کرینگے۔ اور بعض اہم امور
مین فیصلہ کو انکی اجازت پر موقوف رکھینگے،

شیخ الاسلام وامیرِ شریعت کا انتخاب جماعت مسلمین کریگی اور تقرر خلیفہ۔ خلیفہ اپنے ارادہ سلطانی
سے شیخ الاسلام کو مطلع کرینگے اور ان کے ذریعہ سے امیرِ شریعت اور ان کے انتظامی کابینہ مسلمانونکو
یہ دستور العمل میرے دماغ کی تخلیق ہے۔ مگر کیا عجب کہ خلافت جدیدہ مین بھی پروگرام شامل
ہو۔ بہرحال اس سے انکار نہین کیا جاسکتا کہ اس مذہبی حکومت کے ساتھ مسلمان تین چوتھائی
خود مختاری دنیا مین حاصل کرلینگے،

علم الکلام

مولانا شبلی مرحوم کی وہ مشہور تصنیف جس مین علم الکلام کی تاریخ اور اس کے عہد بعہد کی ترقیان اور
تدریجی رفتار، اور ہر دور کے اکابر متکلمین کے مسائل ومجتہدات پر تبصرہ ہے، مدت ہوئی کہ ناپید ہوگئی تھی، اب
مطبع معارف نے نہایت عمدہ کاغذ پر اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے، قیمت عہ،

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

مذہب اور سائنس

"عہد قدیم کے احسانات"

ایک مشہور انگریزی رسالہ میں ایک ممتاز اہل قلم گوہر افشان ہے:-

"گذشتہ نو سالوں کے تجربات نے تمدنِ جدید کے رجحانات کو اس قابل بنا دیا ہے کہ اون کا ایک سرسری اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور اگر ہم عہد جدید و قدیم کے احسانات کا جو انھوں نے انسانی علوم کی ترقی میں کئے ہیں موازنہ کریں تو شاید دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، اس عہد میں ہم اعلیٰ ریاضیات، خوردبینی تجزیہ، حیاتیات، لاسلکی تلغرافی، ہوائی آلات وغیرہ کو موجودہ زمانہ کے احسانات کی صورت میں پیش کر سکتے ہیں، ان چیزوں، اور دوسری لاتعداد مفید اشیا کی بنا پر جو فن طباعت کی بدولت حاصل ہوئی ہیں، کہا جا سکتا ہے کہ بنی نوع انسان نے دنیائے علم میں وہ ترقی حاصل کر لی ہے، جو اسے زمانۂ قدیم سے ممتاز بناتی ہے، حتیٰ کہ آج اسکول کا ایک لڑکا بھی فطرت اور اس کے اسرار کے متعلق اگلے وقت کے عقلمند ترین شخص سے بھی زیادہ جانتا ہے، یہ ایک تشفی بخش یقین ہے، لیکن پھر بھی یہ ہم کو قدما کے احسانات کو تسلیم کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا،

"بیشک یہ ایک تسلیم شدہ صداقت ہے، کہ تمام بڑی ایجادات و اکتشافات ——— زراعتی، آتشی، لسانی، حیاتی، یا ارضی، سب کی سب عہد قدیم ہی سے ہم تک آئی ہیں، لیکن ان کو غیر ارادی یا ارتقائی ضروریات کے نتائج بتایا جاتا ہے، رہے یونانی فلاسفہ کے افکار زریں، سو اُن کو تک بندی کہکر ٹالدیا جاتا ہے، اس عہد میں ہر شخص بلا توقف کہہ اُٹھے گا کہ ریاضیات اور میکنکس (علم جر ثقیل) نے ہمارے زمانہ میں سب سے زیادہ ترقی کی ہے، لیکن موازنہ کے وقت شاید یہ دعویٰ زیادہ وقیع ثابت نہ ہو سکے اور تاریخ بھی اس کو

ترقی کے لئے لازم بتاتی ہے، لیکن کیا مصر، فلسطین، اور دوسرے قدیم ممالک کی بڑی بڑی حکومتیں جن کے مقابلہ میں ہماری ۱۹ صدیاں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں، اسی قسم کے علوم پر قائم تھیں، انسان کا کمال اس پر موقوف نہیں کہ وہ طبیعیات یا ریاضیات کا بہت بڑا ماہر ہے، بلکہ اس کے لئے دوسری طرف متوجہ ہونا چاہئے، یعنی اس چیز کا پتہ چلانا چاہئے جس نے ہم کو درجۂ حیوانیت سے موجودہ مرتبہ تک پہونچا دیا ہے"

"عہد موجودہ، عہد گذشتہ سے بہت سی چیزوں میں مختلف ہے، لیکن سب سے بڑا اختلاف اس موضوع کے متعلق ہے، جس پر کہ اون کی توجہ سب سے زیادہ مبذول رہی پس اگر عصر جدید عہد سائنس ہے تو عصر قدیم سراپا دورِ مذہب تھا، یہ تمام تر ایک قدیمی پیداوار ہے، اس سلسلہ میں پیغمبر اسلام کے وقت سے اب تک کوئی بھی قابل ذکر چیز دریافت نہیں ہوئی، ۲۰۰۰ ق م سے ۶۲۲ء کے تقریباً دو ہزار سالوں کے عرصہ میں دنیا کو مختلف مذاہب دئے گئے ——— یہودیت، عیسائیت فلسطین میں، ارفزم، یونان میں، بدھ اور جین ازم ہندوستان میں، متھرازم، ایران میں، کنفوشنیزم چین میں، اور اسلام عرب میں، لیکن گذشتہ ۱۳ صدیوں نے اس فہرست میں کوئی اضافہ نہیں کیا، بلکہ اس کے خلاف موجودہ زمانہ کو اس حیثیت سے ہم عہد گذشتہ سے بر سر پیکار پاتے ہیں کہ ہمارا فرض تو یہ تھا کہ ہم نے جو کچھ وراثۃً پایا ہے، اس میں کچھ اضافہ نہ کریں تو کم از کم اوس کے برقرار ہی رکھنے کی کوشش کریں، لیکن اس کے برخلاف اسکی وقعت کم کر رہے ہیں، بلکہ بعض نے تو یہاں تک کہدیا کہ اب اوسکو وہ کاری ضرب لگی ہے کہ شاید جانبر بھی نہ ہو سکے، پھر بھی مذکورۂ بالا مذاہب اور انکے علاوہ دوسرے قدیم مذاہب اسی طرح قایم ہیں اور اثر و اقتدار کے لحاظ سے تو سائنس کی بڑی سی بڑی جماعت بھی اُنکے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی پس ہر شخص یہ نتیجہ نکال لے گا کہ مذہب بنی نوع انسان کی ترقی کے لئے اپنے حریف سے زیادہ ضروری ہے، یہ ہم کو ایثار، قربانی، تزکیۂ نفس اور محبت، کے پاک سبق دیکر کمال کے بلند ترین زینہ تک پہونچا دیتا ہے اور بیچارہ سائنس داں صرف افادات کا وعظ سناتا رہ جاتا ہے"

فرانسیسی اور ادبیات ہند

گذشتہ صحبت میں ہم نے ادبیات ہند سے اہل جرمنی کا شغف بتایا تھا آج پروفیسر سیلوین لیوی کے مضمون سے جو فرانس کے سب سے بڑے ماہر ہندیات ہیں اور ان دنوں ڈاکٹر ٹیگور کے بین الاقوامی جامعہ شانتی نکیتان میں آئے ہوئے ہیں، اہل فرانس کا ذوق بتانا چاہتے ہیں،

فرانس ہندوستان کی موجودہ حالت سے اتنی ہی دلچسپی رکھتا ہے جتنی کہ اس کی گذشتہ تاریخ سے شیزی کی شکنتلا اور برناف کی بھگوت کے اشاعت کے درمیانی وقفہ میں گارسین دی تاسی نے اپنی تاریخ ادبیات ہندی وہندوستانی، شایع کی، جولیس بلوش کی حال کی تصنیف "مرہٹی زبان کی تعمیر" ایک بے مثال کتاب ہے،

ادبیات ہند کا ایک معتدبہ حصہ یا یوں کہئے کہ مذہب بدھ کا سنسکرت سرمایہ تقریباً تمام تر چینی، اور تبتی ذرایع سے ہم تک پہونچا ہے، اصل کتابیں مذہب کے زوال کے ساتھ مفقود ہوگئیں، اب یہ ماہرین ادبیات ہند قدیم کا فرض تھا کہ وہ ان گم شدہ جواہرات کی تلاش کریں اور فخر سے کہا جا سکتا ہے، کہ اون میں سے بعض گوہر مفقود ہاتھ آگئے ہیں، مثلاً فوکو نے راجہ شہ رولیا، فیر نے اقتباسات کنجور، پی، کارڈیر نے بستن ہیگر، ہوبر نے ستر النکار اور شونر نے پانچ سو قصے شایع کئے ہیں یہاں پر یہ بتانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وسط ایشیا کے کتبات کے پڑھنے میں بھی فرانس کے ماہرین نے حصہ لیا ہے، مثلاً ایرانی کتبات میں ایم، ایم گوسیٹ اور پلیٹ نے کوشن کتبات میں سیلوین لیوی اور میلٹ نے اور سندی کتبات میں ایم گوسیٹ نے،

اس کے ساتھ ہم اون تراجم کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے جو خود ایک قابل قدر کام ہے،

پروفیسر موصوف نے اس موقع پر یہ واقعہ فراموش کر دیا ہے کہ کالج دی فرانس یعنی پیرس یونیورسٹی میں سنسکرت کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے، کہ وہاں کے اساتذہ کو دعوی ہے کہ اس سے بڑا سرمایہ اور کہیں کم موجود ہوگا،

نئی انسائیکلوپیڈیا

ہم کبھی پہلے اخبار علمیہ میں لکھ چکے ہیں کہ کیمبرج یونیورسٹی نے گذشتہ دہ سالہ ترقی و انقلابات کو دیکھکر اپنی مشہور انسائیکلوپیڈیا کو مکمل کرنے کے لئے تین مزید جلدیں شایع کی ہیں آج ہم انھیں تین جلدوں کے مضامین اور انکی ترتیب پر کچھ لکھیں گے،

ان جلدوں میں بھی پہلی جلدوں کی طرح جو مضامین لئے گئے ہیں وہ تمام تر بڑے بڑے مستند اساتذہ کے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ کسی "سیاہ" ہاتھ کو اس میں کام کرنے نہیں دیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی ایشیائی تحریکیں مروڑ کر بالکل ہی غلط اور مسخ شدہ صورتوں میں پیش کر دی گئیں، جن کا مقصد بجز اپنے پروپگنڈا کے اور کچھ نہیں ہو سکتا، اسی میں ڈاکٹر مارگولیس کا مضمون اتحاد اسلامی، پروفیسر میکڈونل کا مضمون اتحاد تورانی، سرہری کومین کا مقالہ افغانستان وغیرہ ہیں، ہندوستان کی قومی تحریک کے متعلق، یا فلسطین، مصر، کے متعلق جو مضامین ہیں انکا بھی یہی حال ہے، البتہ علوم وفنون، ایجادات واختراعات، معلومات عامہ، گذشتہ جنگ، اس کے خوفناک اکتشافات، اور اس کے نتائج وغیرہ پر قابل قدر مضامین لکھے گئے ہیں پھر بھی عصبیت کی بو ہر جگہ موجود ہے، مذکورۂ بالا مضمون نگاروں کے علاوہ مندرجہ ذیل اشخاص قابل ذکر ہیں،

(۱) پروفیسر اے۔ ای ٹیلر، فلسفہ (۲) سر پرسی سائکس ایران جدید

(۳) جے، ڈبلو، ہیڈلم مورلے تاریخ یورپ (۴) سر جے رینل راڈ مصر

(۵) سر ریگینالڈ ٹاور ڈرنگ (۶) ڈاکٹر ٹی، جے، مسرک زیکوسلیویا

(۷) مسٹر ہیوکنش جنرل اڈیٹر (۸) سر پال وینوگرڈاف روس

الغرض ان جلدوں میں انقلابات جنگ اور سیاسیات کا بڑا مواد داخل کیا گیا ہے، ان کے علاوہ معدنیات، تعلیمات اور ایجادات کے متعلق بھی اکثر جدید معلومات درج ہیں، اسی کے ساتھ اس عہد کے بڑے بڑے لوگوں کے بھی تذکرے آگئے ہیں، ہندوستان میں، مہاتما گاندھی، گوکھلے، تلک، سرندرو ناتھ بنرجی وغیرہ کے ناموں کو بھی انگلستان کے اس مستند صحیفۂ علمی میں نمایاں جگہ دی گئی ہے،

اخبار علمیة

بوہیمیا کے ایک موجد نے ۱۲ سالوں کے مسلسل تجربات کے بعد ایسا شیشہ بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے، جو ٹوٹ نہ سکے گا، حال میں اس کی بنی ہوئی چیزوں کا تجربہ کیا گیا ہے، اس کی رکابیاں اور دوسرے برتن ۸۰ فٹ کی بلندی سے گرائے گئے اور محفوظ رہے ایک برتن میں گوشت بھی پکایا گیا، دوسرے برتن میں ٹین پگھلایا گیا اور اسی کے بنے ہوئے ایک ہتھوڑے سے لکڑیوں میں کیلیں ٹھوکی گئیں،

علمی دنیا کا بڑا مخیر جسے لوگ نوبل کے نام سے یاد کرتے، اور سالانہ انعامات جس کی طرف منسوب ہیں، ابتداءً امیر نہ تھا، اس کی دولت دراصل ڈائنامیٹ کی دریافت کا نتیجہ ہے،

دنیا کی سب سے بڑی سارنگی (وائلین) ۱۱ فٹ، ۴ انچ بلند، ۴ فٹ، ۱ انچ چوڑی، ۱۳ انچ موٹی اور ۱۵۰ پونڈ وزنی ہے، اس کے تار آدمی کی انگلی جیسے موٹے اور ۷ فٹ ۱۰ انچ لمبے ہیں، اس کی بجانے والی کمان ۳۹ انچ ہے،

ہوائے کو اگر قوس وقزح کا ملک کہیں تو زیادہ صحیح ہوگا، شاذ ہی کوئی ایسے ۲۴ گھنٹے گذرتے ہوں جب کہ ایک نہ ایک رنگین کمان افق ہونولولو پر نمودار نہ ہوتی ہو،

اسپراگس، (Asparagus) دنیا کا قدیم ترین غذائی پودا ہے،

اگر آپ کے نقرئی ظروف میلے ہو جائیں تو اون کو آلو کے پانی میں ڈال دیجئے، کچھ دیر کے بعد وہ بالکل نئے معلوم ہونگے،

رات کو دور دراز مقامات پر اکثر ایک قسم کی روشنی نمودار ہو کر غائب ہو جایا کرتی ہے، اس کے متعلق یورپ و ایشیا میں طرح طرح کے اوہام پھیلے ہوئے ہیں، لیکن سائنس نے بتا دیا ہے کہ وہ دراصل مرطوب زمین کی ایک گیس ہے جو فضا میں پہونچ کر اور دوسرے اجزا سے مل کر اس قسم کی روشنی پیدا کرتی ہے، اس قسم کی روشنی سب سے زیادہ برطانوی جزائر میں دیکھی جاتی ہے، چنانچہ اس کی مزید تحقیقات کے لئے شیٹ لینڈ میں ایک رصد خانہ تعمیر کیا گیا ہے،

آج تک خیال تھا کہ یہ گیس صرف زمین سے پیدا ہوتی ہے، لیکن ماہرین کی رائے ہے کہ اس کی ایک بڑی مقدار سورج سے نکلتی ہے، اس روشنی کی بلندی کے ناپنے کی ناروے میں کوشش کی گئی ہے، اور ۶۰ سے ۳۰۰ میل تک پائی گئی ہے،

جوہریوں کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنی دوکان کی نمایش کے لئے دیوار پر دستی گھڑیاں کثرت سے لگا دیتے ہیں، اُن کا قول ہے کہ ان گھڑیوں کے علاوہ دوسری کوئی گھڑی ایسی حالت میں اتنی دیر با ثابت نہیں ہو سکتی، معمولی گھڑیوں کے متعلق اُن کی نصیحت ہے کہ اون کو رات کے وقت سردی میں نہ چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ اون کو ہر وقت کچھ نہ کچھ حرارت ملتی رہنا چاہئے،

اگر کسی سفید دہات میں لوہے کا زنگ لگ جائے تو پہلے اُسے عرق لیمو سے تر کر کے نمک سے رگڑ دیجئے پھر دھوپ میں خشک ہونے کو رکھ دیجئے،

گذشتہ مئی کے علمی حادثات میں پروفیسر چارلس لیمون ایف، آر، ایس اور ڈاکٹر وٹن ڈیوز کی وفات ہیں پروفیسر موصوف ۴۴ سال تک برڈین یونیورسٹی کے "فلسفۂ فطرت" کے استاد تھے اور ڈاکٹر صاحب نارتھ ویلس یونیورسٹی میں سامی زبان کے پروفیسر،

لندن کے کارخانۂ فلم سازی آئیڈیل فلم لیمیٹڈ نے وِس فریڈم کے فلم کو امریکہ کی کمپنی، فاکس فلم کارپوریشن کے ہاتھوں .... ۲۰ پونڈ میں فروخت کیا ہے اور شاید آج تک کسی ایک فلم کی اتنی قیمت ادا نہیں کی گئی ہے،

حال میں لندن میں ایک مقدمہ کا دار الامراء سے فیصلہ ہوا ہے جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ دونوں جماعتوں کے تقریبا ..... ۱ پونڈ اس میں صرف ہے،

اس وقت تک انگلستان میں جن عورتوں کو مجسٹریٹ کے اختیارات دئے گئے ہیں اون کی تعداد ۲۴۴ ہے،

مسز شارلوٹی کمرن، موجودہ عہد کی سب سے بڑی سیاح خاتون ہے، وہ حال ہی میں بحر جنوب کے ساحلی علاقوں سے لندن واپس آئی ہے، اُس کا خیال ہے کہ سنہ ۱۹۱۰ء سے اس وقت تک اُس نے ...۷۰ میل سفر کیا ہے،

مندرجہ ذیل اعداد سے معلوم ہو گا کہ انگلستان کا سالانہ بجٹ سنہ ۱۴ء سے کس قدر بڑھ گیا،

سنہ ۱۴-۱۳ء ۲۰،۷۸۱،۷۴۳۴ پونڈ،

سنہ ۲۴-۲۳ء ۸،۵۵۲۵۰۰۰ پونڈ،

ذیل میں خاص خاص مد کے اعداد ہیں،

	سنہ ۱۴-۱۳ء	سنہ ۲۴-۲۳ء
قومی قرضے	۲۴½ ملین پونڈ	۵۰۳ ملین پونڈ
فوج	۲۵ ملین پونڈ	۴۵ ملین پونڈ
بحری طاقت	۵۰¾ ملین پونڈ	۶۱½ ملین پونڈ
مصارف فوج		۱۸½ ملین پونڈ
جنگی وظائف		۴۷ ملین پونڈ
وظائف پیری	۱۲½ ملین پونڈ	۲۳ ملین پونڈ
تعلیم	۱۹ ملین پونڈ	۱۵ ملین پونڈ
مشرقی رقعی		۸⅔ ملین پونڈ

برطانیہ میں سنہ ۱۴ء میں سرکاری ملازمین کی تعداد ۲۷۸۹۰۰ تھی اور اب ۳۰۴۹۹۸ ہے،

انگلستان کے تین سالوں کی درآمد برآمد کا مندرجہ ذیل اعداد سے پتہ چلے گا،

سنہ	درآمد	برآمد
اپریل سنہ ۲۱ء	۸۹۹۵۱۴۰۶ پونڈ	۶۸۲۵۱۲۴۷ پونڈ
اپریل سنہ ۲۲ء	۸۰۶۳۳۰۶۱ پونڈ	۶۴۷۰۷۴۲۳ پونڈ
مارچ سنہ ۲۳ء	۹۰۰۲۲۲۲۶ پونڈ	۷۰۰۰۶۳۳۲ پونڈ
اپریل سنہ ۲۳ء	۸۶۴۱۷۰۱۷ پونڈ	۷۵۲۹۹۶۰۲ پونڈ

ادبیات

"نغمۂ ساربان حجاز"

از ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال

(۱) درہم و دینارِ من
اندک و بسیارِ من
دولتِ بیدارِ من
ناقۂ سیارِ من
آہوئے تاتارِ من
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست
(۲) دلکش و زیباستی
شاہدِ رعناستی
روکشِ حوراستی
غیرتِ لیلاستی
دخترِ صحراستی
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست
(۳) در تپشِ آفتاب

غوطہ زنی در سراب
ہم بہ شبِ ماہتاب
تند روی چون شہاب
چشم تو نادیدہ خواب
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست
(۴) لکۂ ابرِ روان
کشتیٔ بے بادبان
مثلِ خضرِ راہ دان
بر تو سبک ہر گران
لختِ دل ساربان!
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست
(۵) سوزِ تو اندر خرام
ساز تو اندر زمام

بے خورش و تشنہ کام
پا بسفر صبح و شام
خستہ شوی از مقام
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست
(۶) شامِ تو اندر یمن
صبح تو اندر قرن
ریگِ درشتِ وطن
پائے ترا یاسمن
اے چو غزالِ ختن
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست
(۷) مہ ز سفر پا کشید

در پس تل آرمید
صبح ز مشرق دمید
جامۂ شب بر درید
باد بیابان وزید
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست
(۸) نغمۂ من دلکشائے
زیر و بمش جانفزائے
قافلہ ہا را درائے
فتنہ ربا فتنہ زائے
اے بحرم چہرہ سائے
تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست

پیام حسرت

از سید حسرت موہانی

کب وہ بلاتے ہین دوبارہ ہمین — جب نہ رہا دیدہ کا یارا ہمین
ہوش مین کیا آئین، نہین چھوڑتا — جلوۂ جانان کا نظارا ہمین
کچھ بھی نہین ہو اگر اُن کے بقول — پھیر نہ دین دل وہ ہمارا ہمین
اُن کی حیا کہتی ہے "معلوم ہے — حال ترے شوق کا سارا ہمین"
حکمِ فنا کی اُنھین حاجت نہ تھی — آنکھ سے کافی تھا اشارا ہمین
کون ہے، کیا ہے، وہ بتِ بیوفا — کوئی بتا دے یہ خدا را ہمین

اُس دلِ نازک پہ نہ ہو گر اثر — ہے غمِ فرقت بھی گوارا ہمین
کاش وہی پھر بھی جلائے کہین — جس نگہِ لطف نے مارا ہمین

وہ بھی نہ حسرتؔ کہین دیدین جواب
ایک اُنھین کا ہے سہارا ہمین

غزل

از مولوی ابوالحسنات ندوی

دل کو مین نے رازِ الفت کا جو محرم کریا — اور اس عالم مین پیدا ایک عالم کر لیا
اس تغافل آشنا تک کون پہنچائے پیام — پرسشِ پنہان کو بھی جس نے بہت کم کر لیا
جس نے مجھکو دو جہان سے کر دیا ہے بے نیا — بیخودی مین دل نے وہ سامان فراہم کر لیا
جان دون کیون، اس سرابِ عشقِ فانی کیلیے — کچھ سمجھکر دل کو مین نے تشنۂ غم کر لیا
زخمِ ناکامی پہ دل کے چرخ نے چھڑکا نمک — ضبط نے میرے مگر اس کو بھی مرہم کر لیا
قدرِ ہر شی کی رہین ذوقِ طالب ہے یہان — مین نے جس ساغر کو چاہا ساغرِ جم کر لیا
کھو چکے تھے بیخودی مین سب اجزائے حواس — پر نگاہِ ناز نے اُن کی فراہم کر لیا
وہ عتابِ ناز بھی ان کا مزے کی چیز ہے — چھیڑکر خود مین نے ان کو آج برہم کر لیا
مین نے جب دیکھا تو دل مین قطرۂ خون تک نہین — تم نے جب چاہا تو ان آنکھون کو پرنم کر لیا
حُسن رہ سکتا نہ تھا نا محرمِ رازِ وفا — عشق نے خود رفتہ رفتہ اُس کو محرم کر لیا

نغمۂ عشرت کی تیزی چھپ نہین سکتی ہے ئے
شعر مین مانا کہ پیدا طرزِ ماتم کر لیا

اوراقِ پارینہ

صمدنیاتّ

یا

کتاب خانۂ صمدن مین چند لحظے

از مولوی سید مقبول احمد صاحب، ایم آر اے ایس

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن — نہ مرا گوش بہ مدحے، نہ مرا ہوش ذمے
منم و گنج خمولے، کہ نہ گنجد درِ وَے — جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

(۱)

پچھلے موقعِ ضیافت پر اس خوانِ علم و ادب سے جو چیز پیش کی گئی تھی، وہ گوناگون نعمتون کی ایک قاب تھی جس کو ابتدا انرا ایشیا کے ایک حکیم نے بادشاہ خراسان کی تدرک کے لیے نادر و کیمیا اثر اجزا سے مرتب کیا تھا، اور جو ہندوستان پہنچکر خلیج بنگال کے کنارے، دو فرنگ نژاد امیرون کے ذوق کام و زبان کے طفیل بالائے ہند کے ایک ہنرمند سے اس ملک کی لذت ولطف کے مناسب تیار کرائی گئی. آج کا ماحضر ایک معجون مرکب ہے جو یورپ اور ہندوستان کے بہترین دل و دماغ کا نتیجہ رہا ہوگا جس کا ایک حصہ صفِ کارزار اور عرصہ گاہ رزم کی تیاریون اور میدانِ عمل کے لیے بنایا گیا تھا تو دوسرا امن و سکون کی خاموش ساعاتِ خلوت اور علم و ادب کی پر تمکنت احتفالات دونون کے لیے یکسان لذت بخش و فرحت آفرین تھا۔

انیسوین صدی مسیحی کے آغاز مین انگریزون کا عہد دولت ذروۂ عروج و ترقی پر نہ تھا، البتہ انڈیا
کمپنی کے اربابِ حل وعقد انگلستان سے بہترین ماہرینِ سیاست و مدبرینِ سلطنت اور جنگ آزمودہ بہادر
کو کشورِ ہند کی فرمانروائی کے لیے بھیجتے تھے پھر بھی ان کو مطلق العنان اور خود مختار نہ چھوڑتے، اعلیٰ
سے ادنی عہدہ دار تک معینہ قوانین اور قواعد کے پابند کیے جاتے جن کی خلاف ورزی عزل منصب
کے علاوہ ضبط محاصل و وظائف اور سزائے حبس و مشقت کا مستوجب ہوتی۔

"دستور العمل احکام فوج مشخصہ انگریز بہادر دام حشمتہم" چھپا ہوا نہین بلکہ قلم سے لکھا ہوا
نام ایک مطبوعہ انگریزی کتاب[1] یعنی ان قواعد و احکام کے مجموعہ کا ہے جو صوبہ بنگ کی پیدل فوج کے لیے
وضع و نافذ کیے گئے تھے۔ کتابی صورت مین تو یہ صرف انگریزی زبان مین تھے لیکن اعلام عام اور تکمیل عمل
کے لیے ان کے ترجمے وقتاً فوقتاً جدا جدا گشت کرائے گئے تھے۔ ان سے پتہ چلتا ہی کہ سو ڈیڑھ سو برس
پیشتر دیسی فوج کا حصر حسب ذیل اقسام کے عہدہ داران و انفار پر مشتمل ہوتا تھا، (۱) افسرانِ کمانڈ و مہتمانِ
کمپنی ہائے (۲) ایڈجوٹنٹ، ایجین (۳) انٹرپریٹر یا ترجمان اور کوارٹر ماسٹر (۴) ڈاکٹر (۵) سارجنٹ میجر (۶)
کوارٹر ماسٹر سارجنٹ (۷) دیسی کمیشن یافتہ افسران (۸) غیر کمیشن یافتہ افسران (۹) بے حولدار (۱۰) اردلی
حولدار (۱۱) اسپتال اردلی (۱۲) ڈرمر اور فیفر لوگ۔ ایک لغایتہ چار افسر تھے، صاحب ان کے عہدہ اور نام
کا جزو لاینجزی سمجھا جاتا تھا۔ نمبر ۷ سردار کہلاتے تھے نمبر ۸ چھوٹے عہدہ دار۔ شب و روز کی منقسمہ خدمات کی انجام
دہی کے لیے انہین یورپین اور دیسی افسران مین سے "ڈے والے صاحب" تجویز ہو جاتے تھے۔ چند امور
ضروری بیان کردینے کے بعد مین اپنے مقصد تحریر پر آؤنگا جو زبان و خدمات و استعداد ترجمان کے متعلق ہے،

اسٹوڈینٹس گائیڈ تو ہندوستانی، یعنی طلبہ کے لیے راہنمائے زبانِ ہندوستانی[2]

1- The Standing orders for the Bengal Native Infantry 1846

2. The Students, guide to Hindoostanee

[ی] تصنیف و طباعت سے فارغ ہوکر بریوٹ کپتان ایس سی اسٹار کی[1] متعلقہ رجمنٹ ہفتم فوج پیادہ دیسی
صوبہ بنگالہ نے اس دستور العمل کے ترجمہ و تہذیب کی طرف توجہ کی، اور جنرل ہیولارڈ گف[2] سپہ سالار افواج ممالک
ہند کے نام پر معنون کیا۔ اس کو ایشیائی مصنفین کی تقلید کہیے یا ان کا تصرف خواہ آئین جنودیہ کا اتباع کہ کپتان
صاحب نے اس تہدیہ مین اپنے ممدوح کو معینہ القاب و الفاظ عظمت و اقتدار سب تحریر کردیے اور اپنا نام
[illegible]ور جنٹ لکھنے سے پہلے جملہ مراسم نیازمندی و آداب عبودیت کیشی ادا کردیے ہین Translation
of the standing orders, for the Bengal Native Infantry
یعنی یہ ترجمہ ایک کتاب کی شکل مین ہے جس کو پی ایس ڈی روزاریو و کمپنی کلکتہ[3] نے ۱۸۴۷ء مین بارہ انگشت
[illegible] اور ۸ انگشت چوڑی تقطیع پر اچھے کاغذ پر پورے اہتمام سے چھاپا تھا۔ ورق کھولنے پر چار کالم ملتے ہین یعنی ہر
صفحہ مین دو دو، پہلے کالم مین اصل انگریزی ہی دوسرے مین ترجمہ ہندوستانی زبان مگر رومن حروف
مین تیسرے مین وہی ترجمہ فارسی حروف مین اور چوتھے مین وہی ترجمہ یعنی لفظ بلفظ اسی زبان لیکن ناگری حروف
مین۔ انگریزی و ناگری کے حروف اور حسن طباعت کا ستائش سے بے نیاز ہونا تو چندان تعجب خیز نہ تھا لیکن
مجھے اس کا اردو ٹائپ بغایت خوشنما اور نظر فریب معلوم ہوتا ہی۔ حروف کسی قدر جلی مگر پاکیزہ اور سڈول
بلکہ اس سے زیادہ دلکش ہین جیسے آجکل استامبولی ٹائپ کے ہوتے ہین۔ ان مین نستعلیق سے زیادہ نسخ کی شان
پائی جاتی ہی، انگریزی سطرین ہر صفحہ مین چوبیس اور اردو کی اکیس ہین جن سے اردو کا ایجاز اور معنی نواز ہونا
ثابت ہی کتاب کے صفحات ۴۰۴ سے زاید ہونگے، چار صفحہ کی فہرست مضامین شروع مین ہی۔ اخیر کے اوراق ضایع ہو گئے

1- Breot. Capt: S. C. Starkey, 7th Regiment B.N.I.

2- General, Hugh, lord Gough.

3- P. S. D. Rozario and Co, Yank Square

ی آجکل سنسکرت آمیز ہندی کے قدر افزایان کی آگاہی کے لیے مین نے الفاظ کی یہ تکرار اختیار کی ہو [illegible]

فہرست سے پہلے ایک صفحہ (۲۶ سطرون) کا انگریزی دیباچہ ہے مگر خلاف رواج دیباچہ نگار نے زیر دیباچہ
پر اپنا پورا یا مختصر نام درج نہین کیا، تمہید سے واضح ہوتا ہی کہ اس وقت تک معمول یہ تھا کہ ہدایات و احکام جن کا
وجھص جنکا عساکر ملکی کے مختلف مدارج و مراتب کے اشخاص، اُن کے طریق عمل یا نظم جمعیت پر اثر پڑتا تھا ترجم
رجمنٹون مین ترجمہ کرادئے جاتے اور کمپنیون کے بیچ کے معائنہ کے وقت پڑھکر سنادئے جاتے تھے، اُن کے
بعض پسندیدہ ترجمے بھی بنیا تے جو لامحالہ افواج دیسی کے ترجمانون کے دفتر مین رہتے تھے، ظاہر ہے کہ ان کا
بآسانی ہر ایک کو دستیاب ہونا دشوار تھا بالخصوص عین وقت پر، کپتان اسٹار کی کا دعوی ہے کہ انھون
نے اسی ضرورت سے اس کا ترجمہ اردو مین کیا اور رومن و فارسی و ناگری حروف مین طبع کرایا ہے، اُن کو
اپنی کامیابی کی کامل توقع اور علم دوست پڑھنے والون سے قدر شناسی کی پوری اُمید تھی، اپنے پندار
مین انھون نے احکام کے مقاصد و مطالب کو احتیاط سے، اور اُسی کے ساتھ صرفی و نحوی اغلاط سے پاک،
بیان کر دیا ہے، اسی بنا پر اُن کا خیال تھا کہ یہ ترجمہ مشق کے طور پر بھی کار آمد ہو سکتا ہے اور اس کے بعض
فقرات کا ترجمہ کرا لینے سے کسی نوخیز افسر کی قابلیت زباندانی، اور ہندوستانی مین مہارت و روانی کی بھی
جانچ ہو سکتی ہے، مصنف نے اپنی تجویز و صوابدید سے ہندوستانی الفاظ مطبوعہ بہ حرف رومن کے املا مین[۱]
بھی خفیف تغیرات و اصلاحات کر دی ہین،

ایک عالم معترف ہے اور منت پذیر کہ انگریزون نے اپنے عہد حکومت و اقتدار مین (یعنی جب تک
ناگری پرست جماعت کے مطالبات و مواخذات سے مغلوب نہین ہوئے تھے) اردو زبان پر عظیم احسانات
کئے ہین اس کے ثبوت مین متعدد کتابون کے نام لیے جا سکتے ہین جو ان کے دست کرم و خوان نوال
کے بدولت سو سوا سو برس پیشتر ترجمہ و تالیف ہوئی تھین، لیکن میرے نزدیک حیرت انگیز، مگر آہستہ
ترقی اس زبان کے رسم الخط اور رومن حروف مین انتقالات نے کی ہے وہ انقلاب کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور

[۱] Orthography of Hindoostani words in the Roman charachter

اور اس کے ترتیبی مدارج و اصلاحات کے دکھانے کے لیے ایک پورے مقالہ کی ضرورت ہے،

باز آمد، انٹرپریٹر[۱] یا ترجمان کے سوا دیگر عہدہ داران کو جو خدمات مفوض تھین اور جو اخلاقی و آدابی
و تنظیمی سبق اُنکو سکھائے گئے اور قومی و ملکی مراسم و امتیازات کے قائم رکھنے اور تالیف قلوب کے لیے جو پابندیان
عاید اور تاکیدات لازم کی گئی تھین ان کا تذکرہ بھی دلچسپی اور ضیافت طبائع سے خالی نہ ہوتا مگر مین اب
جادۂ مقصود سے ہٹنا نہین چاہتا۔

"چوتھی فصل کہ جو انٹرپریٹر اور کوٹ ماسٹر صاحب سے علاقہ رکھے ہے"

مین تحقیق سے نہین کہہ سکتا کہ آیا یہ دونون عہدے ایک ہی ذات سے وابستہ رہتے تھے یا جدا
جدا افسران سے، ان کے یکجا بیان کرنے سے اور اس فصل کے فقرہ نمبر ۹ سے مستنبط ہوتا ہے کہ دونون فرائض
ایک ہی یورپین عہدہ دار کے ذمہ تھے، بہر کیف کوارٹر ماسٹر کی خدمات چھوڑ کر فصل کا وہ حصہ نقل کرونگا
جو محض ترجمان کے متعلق ہے،

"۹۔ سب طرح کے کامون مین سے کہ جو انٹرپریٹر سے علاقہ ہے ایک اُن مین سے یہ بڑا ضروری ہے
کہ جو آرڈر کسی بات پر جاری ہو تو صاف صاف ہندوستانی زبان مین بیان کیا کرے تاکہ سب کی سمجھ مین
آوے اگر ایسے ایسے آرڈر ساتھ غفلت کے یا یہ کہ سمجھ مین نہ آوین تو ترجمہ کیا جاوے تاکہ جس کام کے واسطے
کوئی آرڈر جاری ہوا ہے اگر وہ سپاہیون کی سمجھ مین اچھی طرح سے نہ آوے تو کیونکر مانا جاویگا،

۱۰۔ انٹرپریٹر صاحب کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے، اس کا ذمہ ہے کہ سب طرح کی عرضی سپاہیون
کی بنانے کا جو کوئی چھوٹا یا بڑا عہدہ دار، یا سپاہی عرضی لکھوایا چاہے تو چاہیے کہ وہ اپنی کمپنی کے کمانڈنگ
افسر صاحب کی معرفت عرض کرے تاکہ وہ اس شخص کے لیے چھٹی لکھکر کہ جس مین اُسکی درخواست کا
حال لکھا جاوے انٹرپریٹر صاحب کے پاس بھیج دے،

[۱] Interpreter

۱۱- چاہئے کہ انٹرپریٹر صاحب سب طرح کی عرضیون پر دستخط کرے کہ جس سے معلوم ہو کہ یہ عرضی ملاحظہ کی گئی ہے اور بعد اس کے کمانڈنگ افسر صاحب کے دستخط کے واسطے بھیجد یوے،

۱۲- اور چاہئے کہ ان سب عرضیون کی نقل کے واسطے ایک کتاب رکھی جاوے اور جس تاریخ مین کوئی عرضی بہ سبیل ڈاک روانہ ہو تو وہ تاریخ بھی اس مین لکھی جاوے"

اس ترجمہ کو کون سنکر کمال سلیس و عام فہم کہیگا۔ یقیناً کسی خوش فکر منشی کی مدد سے اس سے بہتر ممکن تھا مگر اس لحاظ سے کہ ایک انگریز کا نتیجہ کاوش اور سو برس پرانی کوشش ہے خوردہ گیر کی زبان و قلم رک جاتی ہین، اتفاق سے اسی کتاب مین رکھا ہوا ایک پرچہ دیسی کاغذ پر نیزہ کے قلم اور انگریزی سیاہی سے اوسی زمانہ (۱۸۴۴ء) کا لکھا ہوا مل گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انٹرپریٹر صاحب اور رجمنٹ کے منشی کی متفقہ کوشش سے کسی نئے آئے ہوئے آرڈر کا ترجمہ ہے، یہ سادہ اور صاف ہے،

(۲)

انٹرپریٹر یا ترجمان کے معیار استعداد کے لیے جو نصاب معین تھا، اُسکی دو جلدین تھین۔ افسوس ہے کہ پہلی جلد اس کتب خانہ مین دستیاب نہین ہوئی ورنہ اس سے شان درود، ضرورت ترتیب، مبادی و ہدایات، طریق تعلیم اور عیار قابلیت کا پتہ چلتا، دوسری جلد جو موجود ہے کافی دلچسپ اور قابل توجہ ہے، ہر کام کی ابتدا مین جو نقائص قدرتاً ہوتے ہین یہان بھی پائے جاتے ہین۔ ساتھ ہی بعض لطف انگیز انکشافات بھی ہوتے ہین تقطیع کلان ۱۶ انگشت لمبی، ۱۲ انگشت چوڑی، جلد نہایت نفیس ابری دار چرمہ کی مگر اب شکستہ ہے، صفحات کی تعداد ۲۴۳ سے زاید ہی ہوگی۔ ہر صفحہ مین ۱۰ سطرین ہین، افسوس ہے کہ یہ جلد بھی کامل نہین، آخر کے اوراق غائب ہین، خط جلی، پاکیزہ، نستعلیق، چھاپہ آہنی دفتی پر اندر کے جانب انگریزی مین بدخط قلم سے بڑے بڑے حروف مین لکھا ہے "رجمنٹ نمبر ۵۶ فوج پیادہ دیسی کے انٹرپریٹر کے استعمال کے لیے موصول ہوئی، دستخط ڈی، بام فیلڈ، لفٹنٹ، انٹرپریٹر رجمنٹ نمبر ۵۶۔ ن۔ ا" مقام لکھنؤ، تاریخ ۳

درج نہین ہے،

کتاب کا نام اردو مین تجویز نہین کیا گیا تھا نہ کوئی اردو سرورق ہے، انگریزی لوح داہنے ہاتھ پر ہے اور اس پر حسب ذیل اندراج ہے[1]،

"ہندی و ہندوستانی کے

منتخبات:-

جن کے آغاز مین ہندوستانی و برج بھاکا کی صرف و نحو کے مبادی اصول درج کردئے گئے ہین

عساکر بنگالہ کی دیسی فوج کے ترجمانان کے

صرف کے لئے مرتب کیے گئے۔"

یہ کلکتہ مین ہندوستانی پریس فینسی لین مین ۱۸۲۶ء مین چھاپی گئی تھی،

کتاب تمام و کمال اردو مین ہے لیکن فہرست مضامین انگریزی مین طرہ یہ کہ مضمون فہرست یعنی عبارت تو انگریزی مین ہے لیکن اس کے سامنے صفحات کے ہندسے اردو مین لکھے ہین۔ ہر صفحہ کے اوپر

---

1 Hindee and Hindoostanee
Selections:
To
which are prefixed
The rudiments of Hindoostani and Brij Bhakha
Grmmmar
Compiled for the use of the Interpretars
To
the Native Corps of the Bengal Army
In two volumes— vol II 1827.

منتخب منہ کتاب کا نام انگریزی مین چھاپا ہے، لیکن نمبر شمار صفحہ اردو مین ہے، ہر انتخاب کے آغاز مین کتاب کا نام اور جس زبان سے لی گئی ہے پہلے انگریزی مین لکھا جاتا پھر اس سے اردو مین عنوان قائم ہوتا ہے اسی طرح جب وہ انتخاب ختم ہوتا ہے تو انگریزی مین لکھدیا جاتا ہے، کہ "فلان کتاب کا استخراج ختم ہوا، کیبت اور دوہے جو کتاب مین جابجا آگئے ہین ہندی ٹائپ مین نقل کیے گئے ہین اردو مین نہین لکھے گئے، کسی فرنگی عہدہ دار نے ابتدا کے چند اوراق کو پڑھا ہے اور کہین کہین بعض لغات یا اصطلاحات کے معانی اردو ہندی یا انگریزی مین پنسل سے لکھدئے ہین،

اس جلد مین حسب ذیل مضامین ہین،

(۱) سیر دوسرے درویش کی، جو باغ و بہار سے نقل کی گئی،

(۲) انتخاب گل بکاؤلی کا،

(۳) انتخاب آرائش محفل،

(۴) انتخاب اخلاق ہندی کا،

(۵) سکنتلا ناٹک۔ یا انگوٹھی کی کہانی جو سنسکرت سے لی گئی،

(۶) حکایات لطیف در عبارت سلیس،

(۷) منتخبات اشعار شعرائے ہند،

(۸) سرود ہائے مروجہ ریختہ

(۹) مکالمہ، (یہ حصّہ گم ہے، مین نہین کہہ سکتا کہ فارسی مین کیا عنوان قائم کیا گیا تھا مین نے انگریزی لفظ ڈائی لاگ سے مکالمہ لکھدیا ہے)

چار درویش کا قصّہ بہت مشہور ہے کسی تعریف و تذکرہ کا محتاج نہین اپنے زمانہ مین نہایت مقبول اور مرغوب خاص و عام تھا،[1]

[1] حاشیہ صفحہ ۱۴۷ پر دیکھو

نثر کی گل بکاؤلی کی کہانی،[2] بھی مطابع اور بازار دن سے بآسانی ملجاتی ہے، اسکی زبان بوجہ ارصاف اور روان ہے اور کتابون کے مقابلہ مین ہندی کے الفاظ و محاورات اس مین زیادہ پائے جاتے ہین، بہ تسلسل گیارہ داستانین داخل انتخاب کی گئی ہین مگر ان کے چھانٹنے مین احتیاط و تامل سے کام نہین لیا گیا، سترھوین کہانی مین ایک بڑا حصّہ فلسفیانہ اقوال، صوفیان کرام کے مشاہدات و ارشادات کا داخل ہے، وحدت وجود کی نازک بحث بھی موجود ہے، جنکو صاحب لوگ تو درکنار اس ملک کے عام پڑھے لکھے بھی نہین سمجھ سکتے، "انیسوین داستان، تاج الملوک، اور بکاؤلی کے بیاہ کی" جو کیفیات حال و قال پر مشتمل اور خلوتیان ناز و نیاز کے اعمال کی شارح و مفصل ہے اس مجموعہ مین جگہ نہ پاتی تو اچھا تھا، مجھے تسلیم ہے کہ یہ داستان ہر حیثیت سے قصہ کی جان اور زبان و محاورات و دستورات اور اسمائے اشیائے درسمی تکلفات، نیز علمی و ادبی نکات کے لحاظ سے نہایت قابل تحسین ہے، لیکن گوشۂ خلوت کی ہر شمع اہل فضل و کمال کی انجمن کو منور نہین کرسکتی،

خدا معلوم، مین نے کبھی آرائش محفل کو پڑھا بھی تھا یا محض اس کے نام سے یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فضولیات و خرافات کی کوئی کتاب ہے،[3] اس مجموعہ کے دیکھنے سے وہ گمان فاسد دور ہوا، آرائش محفل،

میرامن دہلوی جب دہلی اور پٹنہ چھوڑ کر کلکتہ آئے تو ۱۸۰۲ء مین باغ و بہار لکھی۔ اصل چار درویش امیر خسرو کی طبعزاد تھی اس سے ایک صاحب تحسین نامی باشندۂ اٹاوہ نے ترجمہ کر کے نوطرز مرصع نام رکھا تھا میرامن نے نوطرز سے لیا اور دلی کی زبان مین نقل کیا ہے، از مقدمۂ تذکرۂ گلشن ہند نوشتہ مولوی عبدالحق۔ مقبول

[2] نہال چند نے ۱۸۰۳ء مین مثنوی گل بکاؤلی کو نثر اردو مین لکھا اور مذہب عشق نام رکھا تھا بروایت معارف لاہور کے رہنے والے تھے مذہب عشق مین نام و نشان تنگ ہے اس لیے ان کے حالات نامعلوم ہین۔ مقبول

[3] سید محمد حیدر بخش، حیدری نے ۱۸۰۱ء مین آرائش محفل یا مشہور قصّہ حاتم کو لکھا تھا، طوطا کہانی و گل مغفرت کے بھی یہی مصنف تھے اور گلزار دانش و تاریخ نادری کے مترجم۔ از مقدمۂ تذکرہ۔ مقبول

آئین اکبری کے پرواز پر لکھی گئی اور اپنی حد تک کارآمد، مورخانہ و محققانہ تالیف ہے عبارت مسجع و مقفی، اس انتخاب مین اُس کے متعلق ۱۲۶ صفحے ہین۔ (۱) صوبۂ دارالخلافہ شاہجہان آباد (۲) صوبۂ مستقر الخلافہ اکبرآباد (۳) صوبۂ خوش سواد الہ آباد (۴) صوبۂ اودھ (۵) صوبہ سراپا بہار بہار کے بارہ مین جس قدر معلومات کی ضرورت ہے ان اوراق سے بخوبی حاصل ہو سکتی ہے، شہر، قلعے، مساجد و جوامع، مکانات عالیہ، عمارات رفیعہ، مقابر سلاطین، مزارات اولیا، حالات بزرگان، معادن، پیداوار اجناس، میوہ جات، وغیرہ بقدر ما یحتاج سب کچھ اس مین موجود ہے، خلاصۃ التواریخ یا خلاصۃ الہند (بروایت آرائش محفل تالیف ۱۱۰۷ھ) سے زیادہ استفادہ کیا اور بے تکلف حوالے دئے ہین[1]، آرائش محفل کا راقم (سرفراز الدولہ مرزا) حسن رضا خان بہادر کا رفیق اور نواب اصف الدولہ کا حضور رس تھا، پھر صاحبان انگریز بہادر کے دامن دولت سے وابستہ ہو گیا تھا، فرقہ ناجیہ امامیہ کا پیرو اور اپنے معتقدات مین غالی، عقاید کی جھلک ہر ورق پر نظر آجاتی ہے لیکن بعض مقامات پر تو بہت گہرا رنگ دیدیا ہے درگاہ سید بدیع الدین شاہ مدار واقع قصبہ مکن پور کے تحت مین بہت سے ناشایان خیالات ظاہر کئے ہین، ان کے ماننے والون کو "عوام بےتمیز ارزال اور"... "بیشتر باجی مرجاے مدارے... لکھا ہے۔ "بانی اس کا سوائے بکھیڑے اور بھگلے کے کوئی نہین ٹھہرتا۔ ساتھ اسکے جاہل دیا جی بھی وہ مقرر ہوگا... سید سالار مسعود غازی کی درگاہ واقع بہرائچ اور حضرت شیخ مینا و پیر جلیل کے مزارات واقع لکھنؤ اور شاہ ارزان کی درگاہ واقع عظیم آباد۔ یہانتک کا مشہور معبد غرض اس سنگباری سے کوئی محفوظ نہین رہا بعض مشاہیر اہل سنت اور صوفیائے عظام تشیع کے سایہ مین سے لیے گئے اور اس گرد باد کے طوفان سے نجات پا گئے ہین، آرائش محفل کی تصنیف کا زمانہ شاہ عالم کا عہد ۴۰سنہ جلوس اور فرمانروائے اودہ نواب سعادت علی خان ۱۲۲۰ہجری تھا۔[2]

[1] خلاصۃ التواریخ منشی سبحان رائے کھتری کی تالیف ہے شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ مین نہایت ضخیم اور مفصل تاریخ ابتدائے عالم سے لیکر اس عہد تک کی بڑی کوشش و محنت سے لکھی مستند کتابون کی فہرست مین داخل ہے، بٹیالہ کے رہنے والے تھے ۱۱۰۷ھ مین وفات پائی بقبول از معارف
[2] یہ آرائش محفل میر شیر علی افسوس کی لکھی تھی لڑکپن مین باپ کے ساتھ دہلی سے لکھنؤ چلے آئے تھے، میر حیدر علی حیران کے شاگرد تھے اور بقول بعض میر درد اور میر سوز کے مشیر بلا ہوا اور مسٹر گلکرسٹ کے حسب الطلب مسٹر اسکاٹ رزیڈنٹ کی تجویز سے دو سو روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر

باب التقریظ والانتقاد

تاسی کا تذکرہ شعرائے اُردو

نقد التنقید

از

جناب مولوی محمد محفوظ الحق صاحب ایم اے

ناظرین[1] کو غالباً یاد ہوگا کہ معارف کے اگست اور ستمبر نمبر مین تذکرہ تاسی کے مقدمہ کا اقتباس مین نے شائع کرایا تھا، اور اس کے بعد قاضی عبدالودود صاحب عظیم آبادی بی اے کی ایک تحریر شایع ہوئی تھی جس مین انھون نے تاسی پر تنقید کی تھی اور لکھا تھا کہ تاسی سے مجھے بہت حسن ظن تھا لیکن اس کے مقدمہ کے اقتباسات نے اس مین کچھ نہ کچھ کمی ضرور کر دی، اس کے بعد سرسری طور پر جو غلطیان نظر آئی تھین اونکی اونھون نے اصلاح کی تھی۔ معارف نے اس تحریر کو شائع کرتے ہوئے حسب ذیل نوٹ دیا تھا:۔

"قاضی صاحب نے اپنے ایک کرم نامہ مین، تاسی کے مقدمۂ تذکرہ پر جو معارف مین شایع ہو چکا ہے تنقید کی ہے جس سے اُن کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے چونکہ اس سے تاسی کے بعض اغلاط کی تصحیح ہوتی ہے اس لیے معارف مین شائع کرنا مناسب ہے"

مندرجہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ تاسی نے واقعی غلطی کی ہے، اور اُسکا تذکرہ کچھ زیادہ معتبر نہین

[1] مضمون ہذا کو پڑھتے وقت اگر ناظرین معارف بابتہ ستمبر اور نومبر ۱۹۲۱ء پیش نظر رکھین تو بہتر ہو،

لیکن ناظرین کو سنکر حیرت ہوگی کہ حقیقت اس کے عکس ہے، یعنی یہ کہ تاسی نے اتنی غلطیان نہین کین جتنی کہ دکھائی جاتی ہین، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ بہت سے امور مین بالکل صحیح ہے اور قاضی صاحب نے جو اعتراضات "قیاس" کی بنا پر کیے ہین وہ عموماً غلط ہین، اب مین قاضی صاحب کے اعتراضات کا جواب دیتا ہون اور جہان وہ صحیح ہین اس کے اعتراف کے بعد، مین متنازع فیہ امور پر روشنی ڈالونگا،

(۱) شاہ نصیر واقعی میر کلن نہین بلکہ میر کلو کہلاتے تھے۔ تاسی نے بھی یہی لکھا ہے لیکن جس مترجم نے فرنچ سے انگریزی مین ترجمہ کیا اس نے کلو کو Mir Kallu لکھا اس لیے اردو ترجمہ مین بھی یہ غلطی رہ گئی،

(۲) "چمن بے نظیر" واقعی گلدستہ ہے، لیکن اس سے تاسی پر کوئی اعتراض وارد نہین ہوتا کیونکہ اس نے خود شروع مین لکھدیا ہے کہ "مین آئندہ صفحات مین ان تمام تذکرون اور گلدستون کی فہرست پیش کرونگا جو یا تو ہمین دستیاب ہوئے یا کم از کم ہمین اُن کا پتہ چل سکا" اس چمن بے نظیر کے علاوہ اس فہرست مین اور بہت سے گلدستے ہین، مثلاً گلدستۂ نازنینان، معیار الشعرا وغیرہ

(۹) گلستان مسرت، فارسی نظمون کا مجموعہ ہے لیکن اس مین "ریختہ گو" شعرا کا فارسی کلام بھی ہے اس لیے تاسی نے اگر اس سے مدد لی تو تعجب کی کونسی بات ہے، اس کے علاوہ تاسی نے جن تذکرون اور گلدستونکی فہرست دی ہے وہ ضرور نہین کہ اس کے تذکرہ ماخذ ہون، (ملاحظہ ہو اقتباس بالا) گلستان مسرت کا تفصیلی ذکر ڈاکٹر اسپرنگر کی فہرست کتب خانۂ شاہ اودہ ص ۱۴۳ مین موجود ہے،

(۱۱) تذکرۂ گلستان سخن پشہزادہ قادر بخش صابر کے نام شایع ہوا ہے، اردوئے معلی بابت جون ۱۹۱۱ء مین اس کو شہزادہ مذکور کی تالیف بتایا گیا ہے۔ مؤلف تذکرہ جلوۂ خضر کا بھی یہی بیان ہے تذکرۂ مذکور اگر واقعی صہبائی کی تالیف ہو بھی یا انھون نے اس کی تالیف مین مدد بھی دی ہو، تو اس کا کوئی تاریخی ثبوت موجود نہین اور نہ کوئی "اندرونی شہادت" پیش کی جاسکتی ہے، اس کے علاوہ ایک امر قابل غور یہ ہے کہ خود صہبائی کا ایک گلدستہ نما تذکرہ بنام انتخاب دواوین موجود ہے گلستان سخن

کے متعلق اگر قاضی صاحب کا نظریہ مان لیا جائے تو شاید کلام شکسپیر کو بیکن اور دواوین ظفر کو ذوق کا کلام ماننا ہوگا،

(۱۷) گلستان بیخزان کے متعلق ڈاکٹر اسپرنگر کا بیان ہے کہ وہ گلشن بیخار کا ترجمہ ہے اور ایک حد تک یہی بیان مسٹر بلمہارٹ مرتب فہرست کتب اُردو (قلمی) موجود برٹش میوزیم (لندن) کا ہے، یہ کتاب بظاہر ترجمہ معلوم ہوتی ہے، لیکن باطن نے کہین کہین حاشیہ بھی چڑھایا ہے، یعنی یہ کہ بعض شعرا پر سخت حملے کیے ہین، اور اس مطعون صف مین زیادہ تر وہی شعرا ہین جن کی شیفتہ نے تعریف کی ہے،

(۲۱) تعجب ہے کہ قاضی صاحب کو کسی تذکرہ مین ابو القاسم قاسم دہلوی کا نام نہ ملا، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر تذکرون مین ان کا نام قدرت اللہ قاسم درج ہے، لیکن ان کا اصلی نام ابو القاسم ہی تھا گو وہ قدرت اللہ قادری کے نام سے مشہور رہے، ان کا تذکرہ مجموعۂ نغز ۱۲۲۱ھ مین تالیف ہوا اور یہی اس کا تاریخی نام ہے،

(۲۹) تاسی کو چونکہ سرو آزاد کا کوئی نسخہ نہ ملا، اس لیے اس نے "قیاس" سے کام لیا جو غلط ثابت ہوا بہر حال سرو آزاد کا ایک حصہ "ہندی" شعرا کے حالات پر بھی مشتمل ہے اس لیے اگر وہ مل جاتا تو تاسی کو "ہندی" شعرا کے حالات مین مدد ملتی۔

آزاد کی اردو شاعری کے متعلق قاضی صاحب کا خیال درست ہے، معلوم ہوا کہ "ریختہ" مین وہ قائم چاندپوری کے شاگرد تھے۔ ایک غزل کے مقطع مین لکھتے ہین ؎

لب ہلانا روبرو قائم کے ہے ترک ادب　　عذر کر آزاد تا ہو عفو یہ تقصیر لب

مؤلف تذکرۂ جلوۂ خضر کا بیان ہے :-

"حضرت آزاد اگرچہ عربی، فارسی کے شاعر مسلم الثبوت تھے مگر حسب رواج زمانہ بھاکا مین بھی کچھ کہہ لیتے تھے چنانچہ سید علی مصطفےٰ خلف سید نور الہدےٰ کی تاریخ میلاد مین ایک قطعہ

فارسی فرمایا ہے اس کے آخرمین ایک شعر عربی اور ایک شعر بھاکا مین بھی لگایا ہے وہ یہ ہے:۔

کذا التاریخ فی التازی کتبنا حبابہٗ الفائض السبحان اپنا

بھلی تاریخ ہندی مون بھانی رہے آنند سون یہ پتر گیانی "

مؤلفین جلوۂ خضر، سخن شعرا اور خمخانۂ جاوید نے مسی مالیدہ" والی غزل کو آزاد بلگرامی کے نام نقل کیا ہے اور غالباً وہ ہے بھی اُن کی،

سنہ ۱۹۲۱ء مین جو علمی نمائش "مسلم انسٹیٹوٹ (کلکتہ) مین ہوئی تھی اس مین میر غلام علی آزاد کی ایک (قلمی) "بیاض" بھی تھی جس مین اُن کے "ریختہ" اشعار درج تھے،

(۳۳) صحف ابراہیم اور گلزار ابراہیم کے متعلق قاضی صاحب نے غلطی کی ہے، یہ دونون تذکرے "ایک ہی کتاب کے دو نام" نہین بلکہ دو مختلف تالیفین ہین، نواب علی ابراہیم خان عظیم آبادی صرف خلیل نہین بلکہ حال بھی تخلص کرتے تھے، چنانچہ تذکرۂ عشقی، مین اُن کے حالات اسی تخلص کے زیر تحت درج ہین، خلیل نے گلزار ابراہیم مین اپنے دو اور تذکرون کا ذکر کیا ہے، لیکن تفصیل تو درکنار اُن کا نام تک نہین بتایا، مشہور مورخ مسٹر جے، بی، الیٹ نے اپنے خط (مورخہ ۱۹ جولائی سنہ ۱۸۵۲ء) مین جو انھون نے ڈاکٹر اسپرنگر کو بھیجا تھا، ان تذکرون پر روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہین:۔

ان کا (نواب علی ابراہیم خان خلیل) ایک تذکرہ خلاصۃ الکلام نامی ہے جس مین مثنوی گو شعرا کے حالات ہین، دوسرا تذکرہ صحف ابراہیم قصیدہ گویون اور غزل سراؤن کے حالات پر مشتمل ہے، اول الذکر کمیاب اور آخر الذکر غالباً نایاب ہے،

......مین نے ان کے عزیزون سے دریافت کیا تو صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ اس تذکرہ (صحف ابراہیم) کے لیے انھون نے اشعار تو جمع کیے لیکن عمر نے وفا نہ کی کہ تذکرہ مرتب کرین، میرے پاس دو غیر مرتب جلدون مین اس کا مواد موجود ہے...... میرے پاس جو نسخہ ہے وہ بڑے سائز کا ہے، اور

بہت گنجان لکھا ہے، ہمین یہ تذکرہ محض اتفاق سے مل گیا اور میرے خیال مین نوادر روزگار سے ہے"۔

مسٹر الیٹ اپنے دوسرے خط مین جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل جلد نہم (ص ۱۵۹) مین شایع ہوا ہے، خلاصۃ الکلام پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہین:۔

" خلاصۃ الکلام مین اُن ۸۰ شعرا کی مثنویون کا انتخاب درج ہے جو اس صنف مین خاص طور پر مشہور ہوئے، یہ تذکرہ بڑے سائز کی دو ضخیم جلدون مین ہے اور دو ہزار پانچ صفحات پر تمام ہوا ہے، اور ہر صفحہ کے عرض مین پانچ اور طول مین اکیس سطرین ہین!"

اس سلسلہ مین خان بہادر میر علی محمد صاحب شاد (عظیم آبادی) کا گرامی نامہ مورخہ ۲ جون سنہ ۱۹۱۵ء خاص طور پر قابل توجہ ہے، تذکرہ ابراہیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہین:۔

" نواب علی ابراہیم خان مرحوم کے (آخر عہد مین یہ امیر عجب با استعداد گذرا ہے) تین تذکرے ہین، ایک حجیم تذکرہ سات جلدون مین مثنویون کا ہے، دوسرا تذکرہ گلزار ابراہیم[1]، یہ بھی تین جلدون مین ہے، تیسرا تذکرہ گلزار ابراہیم کا خلاصہ ہے، آخر الذکر تذکرہ خدابخش خان نے مجھ سے لے لیا خود مولف کے اس پر حواشی تھے، اول الذکر دونون تذکرے مین نے خوب دیکھے ہین اور اب وہ نواب دلدار علی خان صاحب کے پاس محفوظ ہین، چھپے نہین...."

مندرجہ بالا خط سے معلوم ہوتا ہے کہ "گلزار ابراہیم" کا ایک خلاصہ بھی مرتب ہوا تھا لیکن وہ مشہور نہ ہو سکا، بہرحال وہ "ملخص" "صحف ابراہیم" نہین کیونکہ "صحف" شعرائے فارسی کا تذکرہ ہے اور وہ "ملخص" یقیناً شعرائے ریختہ سے متعلق ہے، صحف ابراہیم کا ایک قلمی نسخہ مسٹر ان بلینڈ کے پاس تھا چنانچہ اس نسخہ کا تفصیلی ذکر انھون نے جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد نہم صفحہ ۱۶۲ پر کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ مولف نے تذکرہ ہذا کو سنہ ۱۲۰۵ھ مین مرتب کیا، اور اس کا ثبوت دیباچہ کے حسب ذیل شعر سے ملتا ہے، جو خاتمہ کی تاریخ ہے،

[1] تذکرۂ ہذا کا سنہ تالیف سنہ ۱۱۹۸ھ ہے، اکثر تذکرہ نویسون نے لکھا ہے کہ "صحف" سنہ ۱۱۹۸ھ مین مرتب ہوا، اور اسی سال گلزار بھی تمام ہوا لیکن "نفع بخش زمانہ" سے سنہ ۱۲۰۵ھ نکلتا ہے اس لیے یہی صحف کا سنہ تالیف ہے، مؤلف کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحف گلزار کے بعد لکھا گیا

چو تاریخ اتمام جستم زہاتف   بگفتا بگو" نفع بخش زمانہ "

تذکرہ ہذا کا ایک نسخہ کتب خانہ مولوی خدابخش خان مین موجود ہے اور فہرست کتب خانہ ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مین قدیم شعرائے فارسی مثلاً عمر خیام، حضرت احمد جام و خاقانی وغیرہ اور جدید شعرائے فارسی مثلاً صائب، حزین، آذر وغیرہ کے حالات موجود ہین، اس لئے اس امر کے متعلق مطلق شبہہ باقی نہین رہتا کہ "صحف" شعرائے فارسی کا تذکرہ ہے، اور قدیم و جدید دونون عہد کے شعرائے فارسی کے حالات پر مشتمل ہے، نواب علی ابراہیم خان نے "صحف" مین اپنے تذکرۂ ریختہ "یعنی گلزار ابراہیم" کا اکثر ذکر کیا ہے جرأت کے حالات مین (جس کو مسٹر بلینڈ نے نقل کیا ہے) لکھتے ہین :-

"جرأت دہلوی، نامش قلندر بخش، والد حافظ امان دہلویست، نظم ریختہ راکہ مخلوط بزبان ہندی و فارسی است نیکوئی گوید، و بموزونی طبیع گاہے دو مصرعۂ فارسی بہم پیوندد، در راقم اثم احوالش در تذکرۂ ریختہ نوشتہ است،

یہ تذکرۂ ریختہ جو "گلزار ابراہیم" کے نام سے مشہور ہے، عام طور پر دستیاب ہوتا ہے، اس مین کوئی ۳۰۰ شعرائے ریختہ کے حالات ہین، میرزا علی لطف کا تذکرہ "گلشن ہند" اسی کو دیکھکر لکھا گیا ہے، اور زیادہ تر حالات اس تذکرہ سے ماخوذ ہین، لطف کا بیان ہے :-

"علی ابراہیم خان مرحوم نے ایک تذکرہ شعرائے ہند کا عبارت فارسی مین لکھا ہے اور نام اس کا گلزار ابراہیم رکھا ہے،۔۔۔۔ مسٹر گلگرسٹ کی نظر مبارک سے گذرا، ازبس کہ شاعرون کا حال اس مین مجمل لکھا تھا ایک مدت سے صاحب عالی حوصلہ کو خیال اس بات کا تھا کہ اگر بیان اس کا مفصل زبان ریختہ مین کیا جائے تو خوب ہو،۔۔۔ چنانچہ اس خیر خواہ خفی و جلی میرزا علی لطف کو۔۔۔۔ بنہایت محبت و اخلاص سے فرمایا کہ "تو اگر تن دہی اس مقدمہ مین کرے تو ہم اس تذکرہ کو اپنی طرز پر لکھین"۔۔۔۔ اس مضمون کو اس وقت اس خوبی سے ادا فرمایا کہ"

کہ مجھ سے سوائے اس بات کے اور کچھ بن نہ آیا کہ مین لاکھ جان سے حاضر ہون۔۔۔۔"

ان ثبوتون کے بعد امید ہے کہ قاضی صاحب کو یقین آجائیگا کہ "صحف ابراہیم" اور "گلزار ابراہیم" ایک ہی تذکرہ کے دو نام نہین بلکہ دو مختلف تالیفین ہین ۔

(۳۴) واجد علی شاہ نے تذکرہ لکھا یا نہین اسکی تحقیق ذرا مشکل ہے، خود تاسی کا تفصیلی بیان (بحالات واجد علی شاہ اختر) حسب ذیل ہے :-

"وہ (اختر) اردو فارسی شعراء کے ایک تذکرہ کے بھی مؤلف ہین لوگون کا بیان ہے کہ اس مین پانچ ہزار شعراء کے حالات درج ہین۔ افسوس ہے کہ مسٹر ہال باوجود سعی مزید میرے لیے اس کا کوئی نسخہ حاصل نہ کر سکے، معلوم ہوا کہ یہ تذکرہ ہنگامہ مین تلف ہوگیا،

واجد علی شاہ نے اپنی ایک کتاب بنی نام مین، اپنی تالیفات و تصنیفات کی فہرست دی ہے لیکن ان کتابون کا "موضوع" نہین بتایا ہے اس لیے کوئی فیصلہ کن رائے نہین قائم کی جاسکتی۔ اس فہرست کے خاتمہ پر وہ لکھتے ہین :-

"یہ سب کتب الفقیر کے کتب خانہ مین موجود ہین اور جو تزلزل سلطنت اور غارت بدمعاشان مین تاراج ہوئین وہ خارج از حساب ہین"

ممکن ہے کہ "یہ تذکرہ" بھی اسی طرح غارت ہوگیا ہو۔

(۳۵) مہدی علی خان عاشق مؤلف تذکرۂ عاشق کا حال اکثر تذکرون مین موجود [illegible] علی مردان خان کے پوتے تھے۔ گھر پر برابر دس سال تک مشاعرے کرتے رہے، چنانچہ خوب چند ذکا مؤلف عیار الشعرا اور نواب میر محمد خان سرور مؤلف عمدۂ منتخبہ بھی اس مین شریک ہوتے تھے، ان کی تالیفات بے شمار ہین جن مین تین تو اردو اور دو فارسی دیوان ہین، ان کے علاوہ حملۂ حیدری، یوسف زلیخا، لیلی مجنون، خسرو شیرین اور مثنوی بحالات لکھنؤ بھی ہے، انھون نے ایک تذکرہ بھی مرتب کیا جس مین ان شعرا کے

حالات درج کیے جو ان کے مشاعرون مین شریک ہوتے تھے، بقول اسپرنگر مؤلفین عیار الشعرا اور مجموعۂ نغز نے اس تذکرہ کا ذکر کیا ہے، یہ دونون عاشق کے معاصر تھے، مزید برآن مؤلف خمخانۂ جاوید کے حسب ذیل بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ "تذکرۂ عاشق" ان کی نظر سے گذر چکا ہے، آزاد (منشی رام سنگھ) کے حالات مین لکھتے ہین:-

"آزاد.... نواب مہدی علی خان عاشق، صاحب تذکرہ کے مشاعرون مین اکثر شریک ہوتے تھے"

اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عاشق نے اپنے تذکرہ مین آزاد کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہوگا کہ "وہ میرے مشاعرون مین اکثر شریک ہوتے تھے" اور اسی بیان کو مؤلف خمخانۂ جاوید نے بالواسطہ یا بلا واسطہ نقل کر دیا ہے،

(۱۰) تذکرۂ عشق اور تذکرۂ عشقی کے متعلق قاضی صاحب نے سخت غلطی کی ہے اور دونون کو خلط ملط کر دیا ہے، اصل یہ ہے کہ اول الذکر تذکرہ رحمت اللہ عشق عظیم آبادی بن غلام حسین مجرم کا لکھا ہوا اور ۱۱۵۰ھ کے قریب مرتب ہوا، اس مین ۴۳۹ شعرائے ریختہ کا تذکرہ موجود ہے، اس کا ایک نسخہ جو ۴۰۰ صفحات کا تھا مسٹر الیٹ کے پاس موجود تھا،

لیکن تذکرۂ عشقی، جس کا اصلی نام "نشتر عشق" ہے اس سے بالکل مختلف چیز ہے، وہ فارسی شعرا کا تذکرہ ہے اور آغا حسین قلی خان عشقی عظیم آبادی کی تالیف ہے، مؤلف گلشن بیخار نے ان کا تخلص عاشق لکھا ہے، جو غالباً غلط ہے، یہ تذکرہ ۱۲۳۳ھ مین مرتب ہوا اور ۱۴۷۰ فارسی شعرا کے حالات پر مشتمل ہے، اس کے قلمی نسخے کتب خانۂ خدا بخش خان (بانکی پور) اور رامپور اسٹیٹ لائبریری مین موجود ہین،

اس سلسلہ مین قاضی صاحب کو ایک اور سہو ہوا ہے جس کی تصحیح ضروری ہے، تذکرۂ عشق کو آغا حسین قلی خان کی تالیف ظاہر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہین:

"اس شبہہ کو مزید تقویت تاسی کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ غلام حسین شورش کا تذکرہ

اس سے بہت ملتا جلتا ہو، شورش عشقی کے ہمعصر تھے اور ہموطن، ممکن ہے کہ عشقی کے تذکرہ سے انھون نے مدد لی ہو"۔

لیکن شاید قاضی صاحب کو معلوم نہین کہ شورش نے ۱۱۹۵ھ مین قضا کی اور ان کا تذکرہ ۱۱۹۲ھ کے قریب لکھا گیا، لیکن اس کے برخلاف نواب حسین قلی خان کا تذکرہ اس کے چالیس سال بعد ۱۲۳۳ھ مین تالیف ہوا، اس لیے شورش کا تذکرۂ عشقی سے مدد لینا ناممکن ہے،

مزید اطلاع کے لیے غالباً یہ نامناسب نہ ہوگا کہ تذکرۂ عشق، یا "طبقات الشعراء" نامی ایک تیسرا تذکرہ مولفہ شیخ غلام محی الدین عشق موجود ہے، اور اس کا ایک نسخہ شاید ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ مین بھی ہے،

(۱۴) تذکرۂ سودا کا حوالہ مجموعۂ نغز مولفہ ابوالقاسم قاسم دہلوی مین موجود ہے چنانچہ سعدی دکھنی کے حالات مین اس تذکرہ نویس نے تذکرۂ سودا کا حوالہ دیا ہے، تذکرۂ سودا کی موجودگی کا مزید ثبوت خان بہادر میر علی صاحب محمد شاد (عظیم آبادی) کے گرامی نامہ (مورخہ ۲۰ جون ۱۹۱۵ء) سے بھی ملتا ہے، دوران خط مین تحریر فرماتے ہین:-

"علاوہ ان کے (گلزار ابراہیم وغیرہ) مصحفی کے دونون حجیم تذکرے سنگی والان (پٹنہ) سے منگوا کر دیکھے، ان دو مین سے ایک بنا صاحب خوش علی میر مرحوم کے پاس ہے، مصحفی کے طرز تحریر سے جی گھبراتا ہے، اس کی فارسی کاتھون کی فارسی ہے مثلاً ناسخ کے ذکر مین ہے، "نون لبریش من آمدہ بود" وغیرہ، یہی حالت میر تقی میر اور سودا کے تذکرون کی ہے، یہ حضرات نہ نثر پر قادر تھے نہ فارسی پر مگر پھر بھی فائدہ سے خالی نہین ہین، میر تقی و سودا کے تذکرے کمیاب ہین، نواب بہادر مرحوم (غالباً نواب ولایت علی خان مرحوم مراد ہین،) بہت جگائے ہوئے تھے، غالباً اب لائبریری (یعنی بانکی پور لائبریری) مین ہونگے"۔

لہ چونکہ یہ ایک پرائیوٹ خط ہے اس لیے شاد مدظلہ نے اپنے خیالات نہایت آزادی سے ظاہر کیے ہین، امید ہے کہ ناظرین اسکا خیال نہ کرینگے،

اس خط سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ تذکرہ سودا شاد مدظلہٗ کی نظر سے گذر چکا ہے،

(۵۰) تذکرۂ ناصر، سعادت خان ناصر شاگرد مذہب کی تالیف ہے، واقعی ان کا تخلص نصیر نہین بلکہ ناصر ہونا چاہئے،

(۵۱) ذوق کے متعلق ہمین بھی کسی تذکرہ کا پتہ نہین ملا، تاسی نے کسی حوالہ کی بنا پر ضرور لکھا ہوگا، ممکن ہے کہ "سوانحی" حصہ مین اس نے اپنا ماخذ بتایا ہو. بہر حال یہ امر تحقیق طلب ہے،

بحث تمام ہوئی لیکن اس جگہ ہمین اتنا ضرور اعتراف کرنا ہوگا کہ "انیسوین صدی" کے ایک "غیر ملکی" مورخ نے بیسوین صدی کے ایک "ملکی" نقاد سے زیادہ احتیاط برتی ہے اور سرو آزاد کے سوا اس کا ہر بیان زیادہ حد تک صحیح ہے۔ کلّن وکلّو، یا نصیر و ناصر کی غلطیان تاسی کی نہین بلکہ مترجم کی ہین اور بالکل معمولی ہین۔ تذکرہ سودا، تذکرۂ اختر یا تذکرۂ ذوق اب اگر نہین ملتے تو اس مین تاسی کا کیا قصور ہے اس کو ان تذکرون کا حال معلوم ہوا اس لیے اس نے انکا ذکر کر دیا، تذکرۂ سودا تو شاید اب بھی ڈھونڈھنے مین مل جائے لیکن تذکرۂ واجد علی شاہ اختر غالبًا اب ناپید ہے، تذکرۂ ذوق کے متعلق البتہ کچھ نہین کہا جاسکتا، افسوس ہے کہ میرے پاس تذکرۂ تاسی کا انگریزی (قلمی) ترجمہ صرف حرف "ب" تک ہے، ورنہ مین خود دیکھ لیتا کہ آخر تاسی کے اس بیان کا ماخذ کیا ہے،

بہر حال مین تاسی کو جس قدر غور سے پڑھتا ہون اور اس کے متعلق جس قدر تحقیق کرتا ہون اسی قدر اس کی تحقیق کی داد دینے کو جی چاہتا ہے، ممکن ہے کہ قاضی صاحب بھی اس تحریر کے بعد اپنی رائے تبدیل کرنے پر آمادہ نظر آئین،

مطبوعاتِ جدیدہ

کتاب الرد علی ابی حنیفہ، حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد ابی شیبہ عبسی المتوفی ۲۳۵ھ محدثین عراق میں ایک بڑے پایہ کے بزرگ ہیں، ائمہ فن امام بخاری و امام مسلم وغیرہما کبار محدثین کے شیخ تھے، امام بخاری نے آپ سے ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں، آپ کو اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں،

مصنف ابن ابی شیبہ آپ کی مشہور کتاب ہے جس میں فقہی ترتیب پر احادیث نبویہ آثار صحابہ و فتاوی تابعین کو جمع کیا ہے، اس کتاب میں ایک خاص باب ان حدیثوں او آثار کا ہے جو بظاہر امام ابوحنیفہ کے بعض مسائل فقہ سے معارض ہیں، مولوی ابوالقاسم صاحب بنارسی مستحق شکریہ ہیں کہ آپ نے اس حصۂ کتاب کو شایع کیا ہے آپکا مقصود اس کتاب کو شایع کرنے سے اس بات کا اثبات ہے کہ "امام اعظم کو فی کو حدیث میں کافی دخل نہ تھا"، اگر آپ کا مقصد اس سے بلند تر یعنی محض احیاے سنت ہوتا تو بہتر تھا، کاش آپ نے پوری کتاب شایع کی ہوتی تو طلبۂ حدیث پر بڑا احسان ہوتا، اس کتاب کے نسخے نایاب ہیں، ہندوستان بھر میں دو جگہ اس کتاب کا پتہ لگتا ہے ایک نسخہ حیدر آباد کے کتبخانہ میں ہے اور ایک بانکی پور کی لائبریری میں ہے:-

آخر میں مولوی صاحب نے ان حدیثوں کا اردو ترجمہ بھی شامل کر دیا ہے جس کی وجہ سے کتاب اردو خواں اصحاب کے لئے بھی مفید ہوگئی ہے، قیمت ۸؍ پتہ مولوی ابوالقاسم - دارالنگر - بنارس،

الفوز العظیم کچھ دن ہوئے خواجہ حسن نظامی نے "مرشد کو سجدۂ تعظیم"، ایک رسالہ لکھا تھا جس میں سجدۂ تعظیم کی اباحت پر زور دیا ہے حالانکہ یہ فعل متصوفین کرام کے نزدیک بھی اسی طرح شرک اور گناہ کبیرہ ہے جس طرح جمہور امت کے نزدیک، محمد فضل حسین صاحب نے علمائے کرام سے اسکے متعلق استفتا کیا، "الفوز العظیم" انہیں فتاوی کا مجموعہ ہے، جس میں صحیح حدیثوں اور اقوال سلف سے اس فعل کا شرک ہونا ثابت کیا گیا ہے،

خواجہ صاحب کی کتاب سے جن لوگون کے قلوب مین کچھ شبہات پیدا ہو گئے ہون اُنکی ہدایت کے لئے اس کتاب کی ضرورت تھی قیمت ۸ر پتہ :- منیجر ہلالی پریس دہلی،

آموزگار پارسی شمس العلما مولانا محمد حسین صاحب آزاد مرحوم نے مبتدیون کے لئے جدید فارسی کی تعلیم کی غرض سے اس کتاب کو تصنیف کیا تھا، اس کے تین حصے ہیں، ابتدا سے ۲۸ اسباق تک ضروری محاورات اور روزمرہ کی مشق ہے، ۲۹ سے ۴۵ اسباق تک باہمی مکالمہ کی مشق کرائی ہے اس کے بعد ۸ فصلوں میں واقعات نگاری اور انشاپردازی کی مشق ہے، جناب آغا محمد طاہر صاحب نے اس کتاب کو شایع کیا ہے کاش ان تینوں حصون کو تین عنوانات کے ماتحت تقسیم کر دیا گیا ہوتا تو بہتر تھا، ۴۴ ویں سبق کے بعد ایک عنوان ہے "گفتگوِ متفرق" اس کو ۴۵ واں سبق ہونا چاہئے۔

تصحیح کنندہ صاحب نے ہر جگہ "دوم" اور "سوم" کو دوئم اور سوئم رہنے دیا ہے صفحہ ۱ پر درس سوم کے بجائے درس سیم لکھا گیا ہے یہ فروگذاشتیں بہت زیادہ اہم نہیں لیکن اصل غرض بچوں کی تعلیم ہے اس لئے یہ معمولی فروگذاشتیں بھی نہایت اہم ہو جاتی ہیں، کتاب کی خوبیوں کے متعلق اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ مولانا محمد حسین آزاد کی تصنیف ہے قیمت ۱۲ر پتہ اکبری منڈی لاہور،

طب قدیم وجدید کی معرکۃ الآرا علمی جنگ، حکیم محمد کبیر الدین صاحب پروفیسر طبیہ کالج دہلی سے علم دوست طبقہ ناواقف نہین، فن طب مین آپنے مختلف کتابون کا ترجمہ اور مستقل تصنیفین شایع کی ہین، یہ رسالہ آپ ہی کی تصنیفات سے ہے، اس رسالہ مین طب یونانی کے طریقۂ علاج اور جدید طب کا مقابلہ کیا گیا ہے، اس کتاب پر حقیقی تنقید ایک ماہر طب کر سکتا ہے، ہم تو صرف اس قدر کہہ سکتے ہین کہ حکیم صاحب نے جو کچھ لکھا ہے بظاہر اس مین حق پر ہین، یہ رسالہ جناب حکیم سید مخدوم اشرف صاحب ناظم انجمن مشرقی اطبائے جنوبی ہند کے چند سوالات کا جواب ہے، قیمت ۶ر پتہ :- کتب خانہ المسیح قرال باغ دہلی

مجلد سیزدہم	ماہ صفر سنہ ۱۳۴۲ھ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۳ء	عدد سوم

مضامین

معذرت

افسوس ہے کہ اڈیٹر صاحب سخت ملیریا مین مبتلا ہین، اس لیے پرچہ تعویق کے ساتھ اور مجبوراً بغیر شذرات کے شایع ہوتا ہے، ناظرین معاف فرمائین،

"منیجر"